الاصول العشرہ

مع شرح مسید الاخہ

توبہ
زہد
توکّل
قناعت
عزلت
مداومتِ ذکر
توجہ الی اللہ تعالیٰ
صبر
مراقبہ
رضا

تصنیف:
حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ
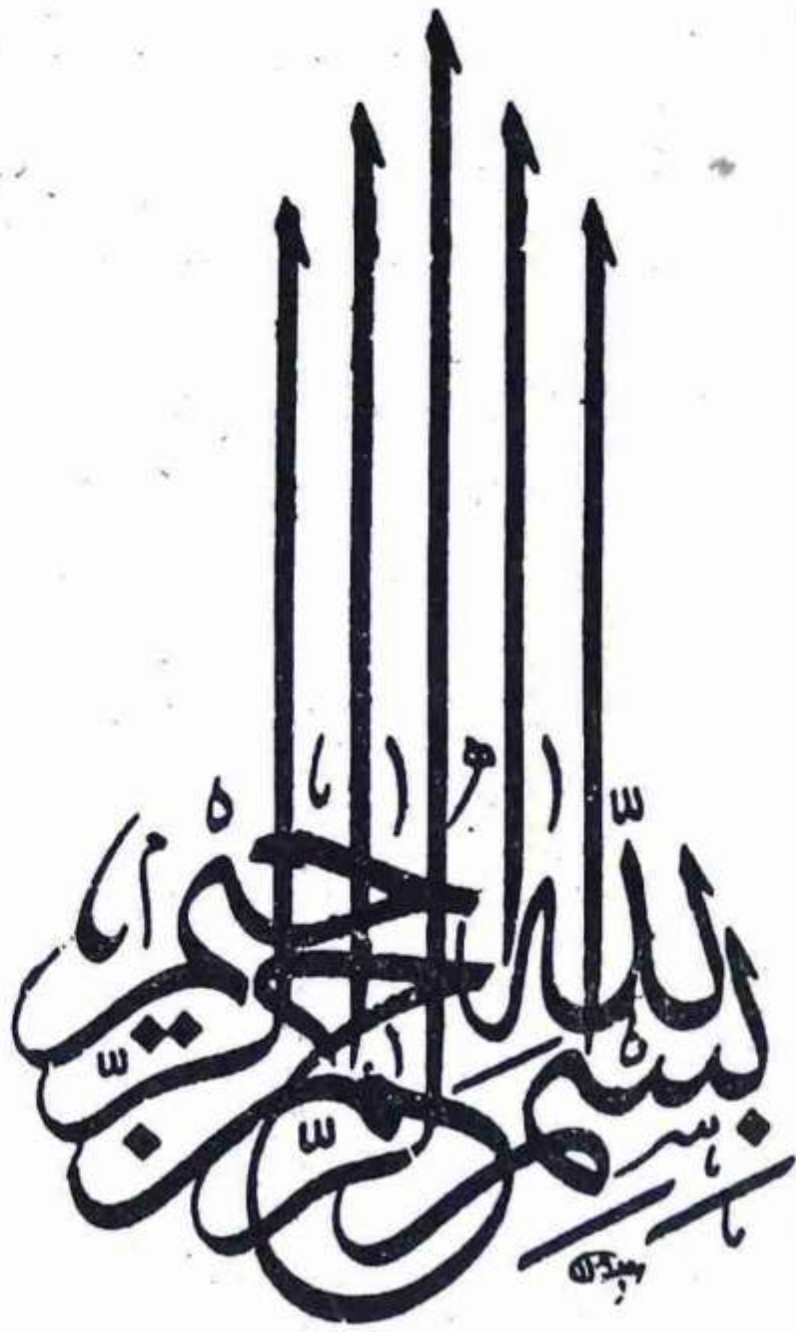
ترجمہ
پروفیسر محمد غضنفر علی وڑائچ

Presented by: https://jafrilibrary.com/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاصول العشرہ

Presented by: https://jafrilibrary.com/

الاصول العشرہ

تصنیف:
حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ
پروفیسر محمد غضنفر علی وڑائچ

مقصود پبلشرز
پہلی منزل سرور مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور۔
Mob: 0333-4320521

Presented by: https://jafrilibrary.com/

نام کتاب: .... الاصول العشرہ

تالیف: .... نجم الدین کبریٰ

مترجم اردو: .... محمد غضنفر علی وڑائچ

طبع اول .... 1994ء مجلس تحقیق و تالیف فارسی

گورنمنٹ کالج، لاہور

طبع دوم .... جون 2003ء مقصود پبلشرز اردو بازار لاہور

ناشر: .... مقصود احمد شرقپوری

غلام عباس پرنٹنگ پریس لاہور

کمپوزنگ: .... محمد سدھیر سائیں

قیمت: 50.99/-

تعداد: 1100

Presented by: https://jafrilibrary.com/

فہرست مندرجات

Presented by: https://jafrilibrary.com/

انتساب

میں اپنے الاصول العشرہ کے اردو ترجمہ کو
اپنے نہایت ہی شفیق و مہربان استاد مکرم
جناب حافظ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی صاحب
کے نام معنون کرتا ہوں۔

مترجم اردو الاصول العشرہ
محمد غضنفر علی وڑائچ

قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفوا احد

تقریظ

نجم الدین کبریٰ (۵۴۰ھ۔ ۶۱۸ھ) اپنے عہد کے بہت بڑے صوفی اور سلسلے کبرویہ کے بانی تھے اور وقت کے بڑے بڑے اولیاء ان کے شاگرد اور مرید رہے ہیں۔ خاص طور پر ان کے مریدوں میں معروف ترین صوفیہ سعد الدین حمویہ اور مجدد الدین بغدادی ہیں۔ الاصول العشرہ نجم الدین کا تصوف میں ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ اصل رسالہ عربی میں ہے جس کا ترجمہ فارسی مولانا عبدالغفور لاری (م ۹۱۲ھ) نے کیا ہے۔ عبدالغفور لاری نے نجم الدین کبریٰ کے اصل ترجمے کے ساتھ ساتھ کچھ اپنی طرف سے تشریحات و توضیحات کا اضافہ بھی کیا ہے۔ صوفیہ کبار کی یہ عام روایت رہی ہے کہ وہ سالکین اور طالبانِ عرفان وتصوف کے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کر کے دیتے اور عام طور پر چند اصولوں پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اسی نہج کی ایک کتاب مناہج الطالبین ومسالک الصادقین بھی ہے جو نجم الدین بن محمود سعد اللہ اصفہانی (قرن ہشتم) کی تالیف ہے۔ اس کتاب میں بھی مؤلف نے دس ابواب تحریر کیے ہیں اور ان دس ابواب میں تقریباً وہی مطالب ہیں جو الاصول العشرہ میں موجود ہیں مثلاً تقویٰ، توکل، صبر، عزلت، ترک دنیا، مرشدان کامل کا ان اصول وضوابط کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ طالبین وسالکین ان اصول وضوابط پر عمل کر کے نہ صرف اپنی آخرت

کو بہتر بنا سکیں بلکہ عرفان و تصوف کے اعلیٰ مدارج اور قربت حق سے بھی بہرہ ور ہو سکیں۔ اس نوع کی کتابوں میں نجم الدین کبریٰ کی الاصول العشرہ بہت ہی مختصر، جامع اور مفید ترین رسالہ ہے۔ الاصول العشرہ کو تذکرہ نویسوں نے مندرجہ ذیل ناموں سے بھی یاد کیا ہے۔

1- رسالتہ الطرق

2- رسالتہ الطالب حق

3- اقرب الطرق الی اللہ

4- رسالتہ طریقت نامہ ورسالہ در بیان طریقت شطار (۱)

5- رسالہ در طریق وصول بحق

عربی میں اس کتاب کی شرح ''عرائس الاصول فی شرح الاصول'' کے نام سے بھی ہوئی ہے۔ شارح کا نام معلوم نہیں۔ یہ شرح محی الدین ابن نقطاچی کے حکم سے ہوئی تھی۔

ترکی زبان میں بھی اسماعیل حقی بروسی نے اس کتاب کا ترجمہ مع شرح کیا ہے۔ سید علی ہمدانی (متوفی ۷۸۶ھ) نے بھی رسالہ ''دہ قاعدہ'' (۲) کے عنوان سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ ایک ترجمہ اور اس کی شرح کمال الدین حسین خوارزمی نے بھی کی ہے۔ اس کتاب کا موجود ترجمہ فارسی عبدالغفور لاری (متوفی ۹۱۲ھ) نے کیا ہے۔ عبدالغفور لاری، مولانا عبدالرحمٰن جامی کے شاگرد تھے۔

بقول حضرت نجم الدین کبریٰ خدا تک پہنچنے یا سفر الی اللہ کے مختلف طریقے یا راستے یہ ہیں۔ پہلا راستہ شریعت کا راستہ ہے یعنی معاملات دنیوی میں شریعت پر عمل کرنا۔ روزہ، نماز کی نہ صرف یہ کہ پابندی کرنا بلکہ بہت زیادہ نفلی نمازیں پڑھنا۔ روزے رکھنا، حج ادا کرنا، جہاد میں حصہ لینا۔ یہ تمام معاملات

ظاہری بدن سے متعلق ہیں اور یہ راستہ اخیار کا ہے۔ اس راستے کے چلنے والے اپنے مقصود کو بہت کم پاتے ہیں۔ اخیار اسی وقت اپنی منزل مقصود کو پا سکتے ہیں جب ان کے اعمال ان کے باطن کو روشن کر دیں اور یہ روشنی اس مقام تک پہنچ جائے کہ تجلیات حق کے حصول کا سبب بنے۔

دوسرا راستہ ارباب مجاہدہ کا ہے یہ لوگ عبادت و ریاضت تزکیہ نفس اور تصفیہ دل کے ذریعے اخلاق رذیلہ کو اخلاقِ حسنہ میں تبدیل کر کے نور باطنی حاصل کرتے ہیں۔ یہ راستہ ابرار کا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اخیار کے مقابلے میں ابرار اپنی منزل مقصود کو پانے میں زیادہ جلد کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن یہ لوگ بہت کم ہوئے ہیں جیسا کہ ابن منصور حلاج نے ابراہیم خواص سے پوچھا کہ مجاہدے کے کس مقام پر ہو۔ انہوں نے جواب دیا تیس سال سے مقام توکل میں نفس کی تربیت کر رہا ہوں۔ ابن منصور نے کہا کہ تم نے اپنی زندگی عمارت باطن میں برباد کر دی اور فنافی اللہ کے مقام سے دور ہو گئے ہو۔ مجاہدہ یا ریاضت در حقیقت نفس کو اس کے تقاضوں سے دور رکھنے کا نام ہے۔ شیخ محی الدین کی نظر میں یہ بات درست نہیں۔ اس سے یہ لازم ہوتا ہے کہ نفس انسانی، نفس انسانی نہ رہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ریاضت در حقیقت تہذیب اخلاق اور نفس کو سرکشی سے روکنے کا نام ہے۔ تہذیب اخلاق اور اخلاق حسنہ کا حصول اگرچہ ضروری ہے لیکن اسے مطمح نظر بنانا قرب خداوندی سے دور ہونے کا سبب بھی بن جاتا ہے اور حق کو مطمح نظر بنانا اور اس میں فنا ہونا قرب خداوندی کے ساتھ ساتھ اخلاق حسنہ کے حصول کا سبب بھی بنتا ہے جو بغیر مجاہدے اور ریاضت کے حاصل ہو جاتا ہے۔

اس کتاب کا مقصود بھی در حقیقت اسی راستے کا بتلانا ہے۔ یہ تیسرا راستہ ہے اس راہ پر چلنے والے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی رضا اور مدد سے پہنچتے ہیں نہ کہ اپنی قوت و ہمت سے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو محبت الٰہی سے مغلوب ہیں اور کشش

عشق ہی انہیں بارگاہ الٰہی تک پہنچا دیتی ہے۔ اسی راستے کو اختیار کرنے والے پچھلے دونوں طریقوں پر چلنے والوں سے جلد قربت حق سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔ الاصول العشرہ کا موضوع بھی یہی ہے اور اسی طریقے کی تشریح و توضیح ہے اور یہ طریقہ حدیث مبارکہ موتوا قبل ان تموتوا پر مبنی ہے یعنی مرنے سے پہلے مر جانا۔ یہ موت طبعی ظاہری یا مادی نہیں۔ یہ موت باطنی ہے بلکہ اختیاری ہے جو لوگ طبعی موت سے پہلے مراد حق یا رضائے حق کو اپنی رضا پر اختیار کر لیتے ہیں اس حیات حقیقی سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔ یہ اختیاری موت یا حیات حقیقی کتاب میں درج شدہ دس اصولوں پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اس رسالے کے ترجمہ فارسی (از مولانا عبدالغفور لاری) کا اردو ترجمہ عزیز گرامی قدر محمد غضنفر علی وڑائچ اسسٹنٹ پروفیسر فارسی گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور نے نہایت سادہ اور رواں کیا ہے۔ میری یہ کوشش رہی ہے کہ فارسی زبان کے وہ ادب پارے جو شعر و ادب، علم و اخلاق اور عرفان و تصوف میں بلند مقام رکھتے ہیں انہیں اردو میں منتقل کیا جائے تا کہ وہ لوگ جو فارسی زبان و ادب سے آشنائی نہیں رکھتے وہ بھی ان جواہر پاروں سے استفادہ کر سکیں۔ میں نے اپنے بہت سے دوستوں اور شاگردوں کو جو آج کل فارسی زبان و ادب کی تدریس میں مصروف ہیں ان میں سے میرے ایک شاگرد عزیز اور گورنمنٹ کالج لاہور کے فارغ التحصیل محمد غضنفر علی وڑائچ ہیں۔ جنہوں نے پوری محنت اور جانفشانی سے الاصول العشرہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ الاصول العشرہ اگرچہ ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن اس کے بعض مقامات سخت دشوار اور دقیق ہیں جن کا سمجھنا اور ان کا آسان اردو میں ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے۔ مثلاً یہ حصہ:

"وصبر قلب از مراد، صبرِ از دوام محاضرہ و مکاشفہ است بہ اشتغال بہ اعمال صوری ضروری، و آن راصبر عن اللہ

خوانند و اما صبر روح بر مکروہ صبر است بر اطراق بصیرت از
تحدیق نظر در مشاہدہ جمال ازلی و انطواء روح در مطاوی حیا از
جہت رعایت حضرت شہود این راصبر مع اللہ گویند۔"

ترجمہ: "پسندیدہ چیزوں پر صبر قلب یہ ہے کہ ہمیشہ محاضرے اور مکاشفے سے
ضروری ظاہری اعمال کی مصروفیت پر صبر کرے یعنی محاضرہ و مکاشفہ کو
ترک کر کے اعمال ظاہری نماز ، روزہ اور عبادات میں مصروف ہو۔
اسے صبر عن اللہ کہتے ہیں۔ اسی طرح مکروہات (ناپسندیدہ چیزوں) پر
صبر روح یہ ہے کہ جمال ازلی کے مشاہدے میں حضرت شہود کے احترام
میں تیزی نظر سے آنکھیں بند کر لینا اور حیا کی پیچیدگیوں میں روح کا
سمٹنا صبر مع اللہ کہلاتا ہے۔"

صبر کے حوالے سے الاصول العشرہ میں اس مشکل حصہ کا مترجم نے
ترجمہ نہایت کامیابی کے ساتھ کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اہل علم میں
پسندیدہ قرار پائے گی اور عرفان وتصوف سے ذوق رکھنے والے حضرات اس
کتاب سے استفادہ کرسکیں گے۔ میری دعا ہے کہ مترجم موصوف فارسی ادب جو
ہمارا عظیم ادبی وثقافتی سرمایہ ہے اس کی ترویج وترقی میں پوری لگن سے کام کرتے
رہیں اور اس میدان میں اعلیٰ مقام پائیں۔

پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی
گورنمنٹ کالج لاہور

1- احمد منزوی فہرست مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان۔ مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران
و پاکستان اسلام آباد۔ ج ۳ ص ۱۴۸۵

2- " " ہماں ص ۱۴۶۱

Presented by: https://jafrilibrary.com/

مترجم کی جانب سے

مجھے سب سے پہلے اپنے استاد مکرم و محترم جناب پروفیسر ظہیر احمد صدیقی صاحب کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے نہ صرف الاصول العشرہ کے اردو ترجمہ کی تشویق دلائی بلکہ اس کی اہمیت سے بھی آگاہ کرتے ہوئے ایران سے شائع شدہ الاصول العشرہ کا نسخہ فوٹو کاپی کے لئے مہیا کیا۔ دوران ترجمہ مجھے اپنے مشفق و مکرم پروفیسر صاحب موصوف کی رہنمائی پوری طرح میسر رہی جس کی وجہ سے میں ترجمہ مکمل کرنے میں کامیاب ہوا۔

اردو زبان میں الاصول العشرہ'' کا سب سے پہلے ترجمہ کرنے کا شرف احقر کے حصے میں آیا ہے۔ اس لحاظ سے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سلوک و عرفان کی کتب کے اردو زبان میں ہونے والے تراجم میں ایک ترجمے کا اضافہ ہوا ہے۔ میں الاصول العشرہ کا فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، اس کا فیصلہ فاضل قارئین کرام پر چھوڑتا ہوں اور یہ امید رکھتا ہوں کہ اگر مجھ سے ترجمہ میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اس سے آگاہ کرکے مجھے ممنون فرمائیں۔ اس ترجمے کو دوسری مرتبہ مقصود پبلشرز اردو بازار کی جانب سے زیور طبع سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔

خاکپائے بزرگان

محمد غضنفر علی وڑائچ ولد چوہدری خوشی محمد بیخود بوتالوی

اسسٹنٹ پروفیسر و صدر شعبہ فارسی

گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

حضرت نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ

آپ کا اسم شریف احمد بن عمر بن محمد بن عبداللہ الخیوقی خوارزمی معروف بہ نجم الدین کبریٰ ہے۔ آپ کو عبداللہ الحمومی بھی کہتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالجناب ہے۔ یہ کنیت آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں مرحمت فرمائی تھی اور کہتے ہیں کہ آپ کے لقب کبریٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ابتدائے جوانی میں جب آپ حصول علم میں مشغول و مصروف تھے تو جس کسی سے بھی آپ کی کسی مسئلہ پر بحث ہوتی آپ اس پر غالب آ جاتے۔ اسی وجہ سے لوگ آپ کو طامتہ الکبریٰ کہنے لگے جبکہ کثرت استعمال سے ''لفظ طامہ'' متروک ہوگیا۔ کبریٰ رہ گیا۔ آپ کو ولی تراش بھی کہتے ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ بقول داراشکوہ یعنی (عالم وجد میں جس پر آپ کی نظر مبارک پڑ جاتی وہ مرتبہ ولایت پر فائز ہو جاتا) چنانچہ ایک دن ایک تاجر بر سبیل تفرج آپ کی خانقاہ میں آ گیا۔ اس وقت شیخ پر ایک خاص حالت روحانی طاری تھی۔ جونہی تاجر پر آپ کی نظر پڑی اسی وقت اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں اور وہ ولایت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا۔ آپ نے اس تاجر سے پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو اس نے جواب دیا فلاں ملک سے تعلق ہے۔ آپ نے

اسے اس ملک میں تبلیغ و ہدایت کے لیے اجازت نامہ لکھ دیا۔

ایک دن شیخ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک باز ایک صعوہ (چڑیا) کو پکڑنے کے لیے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اچانک شیخ کی نظر اس صعوہ (چڑیا) پر پڑی تو اس کے اثر سے چڑیا پلٹی اور باز کو پکڑ کر شیخ کے پاس لے آئی۔

ایک دن اصحاب کہف کے متعلق تحقیق و تقریر ہو رہی تھی کہ شیخ کے ایک مرید شیخ سعدالدین حموی کے دل میں خیال پیدا ہوا کیا اس امت میں بھی کوئی ایسا شخص ہوگا جس کی صحبت کتے پر اثر کرتی ہے۔ شیخ (حضرت نجم الدین کبریٰ) نے اپنے نور فراست سے جان لیا اٹھے اور اپنی خانقاہ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ اچانک ایک کتا آ پہنچا۔ آپ کی نظر اس پر پڑی جس کے سبب اس کی حالت کچھ سے کچھ ہوگئی۔ دیوانہ ہو کر اس نے بجائے شہر کے قبرستان کی راہ لی۔ اپنا سر زمین پر مارتا تھا اور جہاں سے اس کا گزر ہوتا تھا۔ پچاس ساٹھ کتے اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور دست بستہ اسکے حضور میں کھڑے رہتے۔ کچھ دنوں بعد یہ کتا مر گیا۔ آپ کے حکم سے اسے دفن کیا گیا اور اس کی قبر پر ایک عمارت بھی تعمیر کی گئی۔ مولانا جلال الدین رومی کے اس شعر میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

یک نظر فرما کہ مستغنی شوم ز ابنائے جنس

سگ کہ شد منظور نجم الدین سگاں را سرور است

صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ تبریز میں ایک دن جب آپ اپنے استاد کے حضور بہت سے دیگر آئمہ کے ساتھ بیٹھے شرح السنہ پڑھ رہے تھے۔ ایک درویش آئے۔ آپ نے پہلے ان کو دیکھا ہوا نہیں تھا۔ درویش کو دیکھ کر آپ کی حالت متغیر ہوگئی اور مجال قرات نہ رہی۔ آپ نے (حیران ہوکر) دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہیں لوگوں نے کہا یہ بابا فرج تبریزی ہیں جو مجذوب اور محبوب حق سبحانی ہیں۔ آپ رات بھر بے قرار رہے جب صبح ہوئی تو اپنے استاد کی خدمت

میں التماس کی کہ چلیے بابا فرج کی زیارت کو چلتے ہیں۔ استاد صاحب نے اپنے اصحاب کی رفاقت کی بابا فرج کی خانقاہ کے دروازے پر بابا شاداں نامی خادم تھا۔ جب اس نے اس جماعت کو دیکھا تو اجازت طلبی کے لیے خانقاہ میں گیا۔ بابا فرج نے فرمایا اگر یہ لوگ ہمارے پاس اس طرح آنا چاہتے ہیں کہ جس طرح خداوند تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو آنے کی اجازت دے دو انہوں نے یہ شرط منظور کر لی اور سب لوگ سینے پر ہاتھ باندھ کر داخل ہوئے۔ بابا فرج کے سامنے آئے اور بیٹھے تھوڑی دیر بعد بابا فرج کی حالت متغیر ہوگئی۔ آپ کی صورت میں ایسی عظمت پیدا ہوئی کہ آپ کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکنے لگا اور وہ لباس جو آپ نے پہن رکھا تھا پھٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ اصلی حالت پر آ گئے، اٹھے اور وہ جامہ شیخ کو پہنا دیا اور کہا اب یہ وقت تمہارے دفتر پڑھنے کا نہیں ہے۔ اب وقت ہے کہ تم سارے جہان کے سر دفتر بنو۔ آپ فرماتے ہیں بابا کے ان الفاظ نے میری کایا پلٹ دی اور میرا باطن غیر اللہ سے منقطع ہوگیا جب ہم وہاں سے باہر آئے تو استاد نے کہا کہ شرح السنہ تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ دو تین دن میں پڑھ لو۔ اس کے بعد جو چاہو کرو کیونکہ شرح السنہ کا یہ نسخہ علم حدیث میں بہت معتبر ہے۔ جب دوسرے دن میں نے کتاب شروع کی تو میں نے دیکھا بابا فرج اندر داخل ہوئے اور کہہ رہے ہیں کل تم نے علم الیقین کی ہزار منزلیں طے کر لیں۔ اب پھر علم کی طرف لوٹ آئے ہو یہ سن کر میں نے علم پڑھنا ترک کر دیا اور ریاضت اور خلوت میں مشغول ہوگیا۔ مجھ پر علم لدنی اور واردات غیبی کا نزول شروع ہوگیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا (میں اس واردات کو قلم بند کرلوں گا۔ تاکہ ضائع نہ ہو جائیں) بابا فرج ظاہر ہوئے اور کہنے لگے کہ شیطان تجھے پریشان کر رہا ہے۔ ان چیزوں کو مت لکھ۔ میں نے قلم دوات پھینک دی اور دل کو سب چیزوں سے خالی کر دیا۔

صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں۔ امیر اقبال سیستانی اپنی کتاب جس میں انہوں نے اپنے مرشد شیخ رکن الدین علاء الدولہ قدس سرہ کے تمام فرمودات کو جمع کیا ہے۔ اپنے مرشد سے نقل کیا ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ ہمدان گئے اور اجازت حدیث حاصل کی اور سنا کہ اسکندریہ میں ایک محدث بزرگ اسناد عالی کے حامل ہیں وہیں سے عازم اسکندریہ (مصر) ہوئے اور ان بزرگ محدث سے اجازت حاصل کی اور واپسی پر ایک رات خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کنیت مرحمت کرنے کی استدعا کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''ابوالجناب'' کنیت عطا فرمائی۔ آپ نے پوچھا کہ ''ابوالجناب'' مخفف ہے کہ مشدد آپؐ نے فرمایا نہیں مشدد ہے جب خواب سے بیدار ہوئے تو آپ پر یہ ظہور ہوا کہ دنیا سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اسی وقت قطع علایق اختیار کیا اور مرشد کی تلاش میں نکل پڑے اور جس کسی کی خدمت میں بھی پہنچے علم میں منتہی ہونے کے باعث کسی سے اعتقاد درست نہ ہوا۔ جب خوزستان (ایران) پہنچے تو بیمار ہو گئے لیکن کوئی شخص آپ کو ٹھہرنے کے لیے جگہ نہ دیتا تھا۔ اس سے سخت عاجز ہوئے اور ایک شخص سے پوچھا کہ اس شہر میں کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ جو بیمار اور پردیسی کو رہنے کو جگہ دے تا کہ میں وہاں چند دن آرام کرسکوں۔ اس شخص نے کہا۔ یہاں ایک شخص کی خانقاہ ہے اگر تو وہاں چلا جائے تو وہ تیری خدمت کریں گے۔ آپ نے کہا ان بزرگ کا نام کیا ہے اس شخص نے جواب دیا۔ شیخ اسماعیل قصری۔ آپ وہاں گئے تو انہوں نے آپ کو درویشوں کی قیام گاہ کے سامنے ایک کمرے میں ٹھہرنے کی جگہ دی اور آپ وہاں مقیم ہو گئے لیکن آپ کی بیماری نے طوالت اختیار کی۔ آپ کہتے ہیں کہ اس کے باوجود مجھے بیماری سے زیادہ تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ ان کے سماع کی آواز سنائی دیتی اگرچہ میں سماع کا منکر تھا لیکن کسی اور جگہ منتقل ہونے کی

طاقت بھی مجھ میں نہیں تھی۔ ایک رات محفل سماع ہو رہی تھی شیخ اسماعیل گرمی محفل سماع کے دوران میرے پاس آئے اور کہا کہ اٹھنا چاہتے ہو میں نے کہا ہاں انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھ سے بغلگیر ہوئے اور محفل سماع میں لے گئے اور اسی وقت انہوں نے مجھے تندرست کر دیا۔ مجھے دیوار کے سہارے بٹھا دیا۔ میں نے کہا کہ حال کے دوران گر پڑوں گا جب مَیں اپنے آپ میں آیا مَیں نے اپنے آپ کو تندرست دیکھا جیسے کہ مجھے کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔ اس طرح مجھے ان (شیخ اسماعیل قصری) سے ارادت ہوگئی۔ دوسرے دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی بیعت کر لی اور سلوک (ریاضت) میں مصروف ہوگیا۔ ایک مدت تک شیخ کی خدمت میں وہاں مقیم رہا۔ جب احوال باطن سے باخبر ہوا تو بہت زیادہ علم حاصل کرنے کے سبب میرے دل میں خیال آیا کہ میں علم باطن حاصل کر چکا ہوں جب ظاہری علم میں مَیں اپنے شیخ سے سبقت حاصل کر چکا ہوں۔ صبح مجھے شیخ نے طلب کیا اور کہا اٹھ اور سفر کر کیونکہ تجھے عمار یاسر کے پاس جانا چاہیے میں سمجھ گیا کہ شیخ میرے دل میں پیدا ہونے والے خیال سے واقف ہو چکے ہیں لیکن کچھ نہ کہا اور وہاں سے چل پڑا اور شیخ عمار یاسر کی خدمت میں پہنچ گیا اور وہاں کچھ عرصہ شیخ عمار یاسر کی خدمت میں رہ کر سلوک و عرفان میں مصروف رہا اور وہاں بھی ایک رات میرے دل میں وہی خیال پیدا ہوا (جو شیخ اسماعیل قصری) کے پاس ہوتے ہوئے پیدا ہوا اور جس کی وجہ سے انہوں نے عمار یاسر کے پاس بھیج دیا تھا۔

صبح عمار یاسر نے فرمایا کہ نجم الدین اٹھ اور مصر چلا جا۔ وہاں روز بہان کی خدمت میں جا تا کہ وہ ایک تھپڑ سے تمہارے سر سے ایسے خیالات نکال باہر کریں۔ میں اٹھا اور سوی مصر چل پڑا۔ جب شیخ روز بہان کی خانقاہ میں گیا تو شیخ وہاں موجود نہیں تھے جبکہ ان کے تمام مرید مراقبے میں تھے۔ کسی نے میری

(نجم الدین) طرف توجہ نہ کی۔ وہاں ایک اور شخص بھی تھا اس سے پوچھا کہ شیخ کونسے ہیں اس نے کہا کہ شیخ باہر ہیں اور وضو کر رہے ہیں۔

میں باہر گیا اور شیخ روز بہان کو دیکھا کہ تھوڑے سے پانی سے وضو کر رہے ہیں میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ شیخ نہیں جانتے کہ اتنے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے یہ کیسے شیخ ہیں۔ انہوں نے وضو مکمل کیا اور ہاتھ میرے چہرے پر جھاڑ دیا۔ جب پانی میرے چہرے پر لگا تو اس سے مجھ پر بیخودی طاری ہوگئی۔ شیخ خانقاہ میں آگئے میں بھی آ گیا۔ شیخ وضو کا شکریہ ادا کرنے نماز میں مشغول ہوگئے اور میں اس بات کا منتظر تھا کہ شیخ سلام پھیر لیں تا کہ میں انہیں سلام کہوں۔ اسی طرح کھڑے کھڑے غائب ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہوئی ہے اور دوزخ ظاہر ہوگیا ہے اور (فرشتے) لوگوں کو پکڑ رہے ہیں اور آگ میں ڈال رہے ہیں۔ اس گزرگاہ پر آگ کا تودہ ہے اور اس تودے پر ایک شخص بیٹھا ہے اور جوکوئی یہ کہتا ہے کہ میں اس شخص سے تعلق رکھتا ہوں اسے رہا کر دیتے ہیں اور دوسروں کو آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ ناگاہ انہوں نے مجھے بھی پکڑ لیا اور (دوزخ کی طرف) کھینچنے لگے۔ جب میں وہاں پہنچا میں نے کہا میں اس سے تعلق رکھتا ہوں انہوں نے مجھے رہا کر دیا۔ میں ٹیلے کے اوپر گیا تو دیکھا وہ شیخ روز بہان ہیں۔ میں ان کے پاس گیا اور ان کے پاؤں میں گر پڑا۔ انہوں نے ایک بڑا سخت تھپڑ میری گدی پر مارا کہ اس کے زور سے میں زمین پر گر پڑا۔ انہوں نے کہا کہ اس سے بڑھ کر اہل حق کا انکار مت کر۔ جب میں گر پڑا اور غیبت سے واپس آگیا اتنے میں شیخ نے نماز پڑھ کر سلام پھیر لیا تھا۔

میں (شیخ کے) سامنے گیا اور ان کے پاؤں پڑ گیا۔ شیخ نے عالم شہادت میں بھی ایک زبردست تھپڑ میری گدی پر مارا اور وہی لفظ کہا جو پہلے کہہ چکے تھے۔ وہ باطنی روگ/ بیماری مجھ سے جاتی رہی۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے

حکم دیا کہ شیخ عمار کے پاس واپس چلا جا۔ جب میں واپس گیا تو انہوں نے ایک مکتوب شیخ عمار کو لکھا کہ جس قدر تانبا تمہارے پاس ہے بھیج دیں تاکہ میں اسے زر خالص میں بدل دوں۔ وہاں سے شیخ عمار کی خدمت میں واپس آیا اور مدت تک وہاں مقیم رہا۔ جب سلوک و عرفان کی تمام منازل طے کر لیں تو انہوں نے مجھے خوارزم جانے کا حکم دیا۔ میں نے کہا کہ وہاں کے لوگ عجیب قسم کے ہیں اور وہ اس طریقے مشاہدے نیز قیامت کے بھی منکر ہیں۔ انہوں نے فرمایا جاؤ اور کسی قسم کی فکر نہ کرو۔ میں خوارزم آ گیا اور اس (صوفیہ کے) طریقہ کو رواج دیا اور بہت زیادہ مریدوں کی تعداد آپ کے پاس جمع ہو گئی اور آپ رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ جب کفار تاتاری خوارزم پہنچے تو شیخ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا جو ساٹھ سے زیادہ تھے جبکہ سلطان محمد خوارزم شاہ بھاگ چکا تھا اور کافر تاتاری یہ خیال کرتے تھے کہ وہ خوارزم میں ہے اور اس طرح خوارزم میں آ گئے۔ شیخ نے اپنے بعض اصحاب شیخ سعد الدین حموی اور شیخ رضی الدین لالا وغیرہ کو طلب کیا اور کہا جلدی اٹھو اور اپنے شہروں کو چلے جاؤ کہ مشرق کی جانب آگ بھڑک اٹھی ہے اور وہ جلدی ہی مغرب کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ یہ ایک بلائے عظیم ہے کہ اس جیسا واقعہ ملت پر ابھی تک رونما نہیں ہوا ہے۔ بعض اصحاب نے شیخ سے اس حادثہ کے ٹالنے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ قضائے مبرم ہے۔ یہ (نہ ٹلنے والا حکم الٰہی) ہے۔ دعا اس کو دور نہیں کر سکتی۔

پس اصحاب نے عرض کیا کہ سواریاں حاضر ہیں اگر حضرت (شیخ نجم الدین) ہمارے ساتھ موافقت کریں تو ان کی سرکردگی میں خراسان کا رخ اختیار کیا جائے جو کچھ زیادہ دور دکھائی نہیں دیتا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں یہیں شہید ہوں گا اور مجھے یہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اصحاب خراسان کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب کفار شہر میں آئے تو شیخ نے اپنے باقیماندہ صحابیوں کو بلایا اور

کہا اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہو اور جہاد فی سبیل اللہ کرو۔ گھر آئے اپنا خرقہ پہن لیا اور پٹکا باندھا۔ خرقہ سامنے سے کھلا تھا۔ آپ نے ہر دو بغل کو پتھروں سے بھر لیا اور نیزہ ہاتھوں میں پکڑے ہوئے باہر آئے۔ جب کفار سے مقابلہ ہوا آپ ان کو پتھر مارتے جاتے تھے یہاں تک کہ ان کے پاس ایک پتھر بھی باقی نہ بچا۔ کفار نے آپ پر تیروں کی بارش کر دی۔ ایک تیر آپ کے سینہ مبارک پر آلگا۔ جب اسے (تیر کو) باہر کھینچا گیا تو آپ گر پڑے اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ کہتے ہیں کہ وقت شہادت ایک کافر کی لٹیں آپ نے پکڑ رکھی تھیں۔ آپ کی شہادت کے بعد دس آدمی مل کر بھی اس کی لٹیں آپ کے ہاتھ سے چھڑانے میں جب کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے اس کی لٹیں کاٹ دیں۔ آپ ۶۱۸ھ میں شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے اپنے اشعار میں اس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے اور اپنا انتساب حضرت شیخ کے ساتھ کرتے ہوئے کہا ہے:

ما ازاں محتشمانیم کہ ساغر گیرند — نہ ازاں مفلسگاں کان بز لاغر گیرند
بیکی دست می خالص ایمان نوشند — بیکی دست دگر پرچم کافر گیرند

مولانا جامی کے علاوہ رضا قلی ہدایت نے بھی یہی لکھا ہے۔

رضا قلی ہدایت ریاض العارفین ص ۲۴، تہران چاپ دوم ۱۳۱۶

مظہر الحق صاحب نے آپ کی تاریخ رحلت کہی ہے۔

آنکہ خورشید پیش اُو صغریٰ بود — الملقب بہ نجم الدین کبریٰ
نہم ماہ ز صوم و شنبہ بود — کہ ز دنیا بخلد عزم نمود
سال تاریخ نقل آن محمود — جز دم مقتدائے دین فرمود

(گلستان مسرت ص ۳۸۵)

آپ شاعر بھی تھے۔ ریاض العارفین میں آپ کے کلام کا نمونہ دیا گیا

ہے۔ جو پیش خدمت ہے۔

خواجگان در زمان معزولی همه شبلی و با یزید شوند
باز چون بر سر عمل آیند همه چون شمر چون یزید شوند
گر جهودئی قراضه دارد خواجه نامدار فرزانه است
آنکه دین دارد و ندارد مال گر همه بوعلی است دیوانه است
پیوسته ازاں سلسله مو ی ترسم زاں خط خوش و تندی خومی ترسم
ترسیدن هر که هست از چشم بد است بی چاره من از چشم نکومی ترسم

آفتاب رائے لکھنوی تذکرہ ریاض العارفین بتصحیح سید حسام الدین راشدی (بخش دوم) از انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد

تصانیف (الاصول العشرہ۔ السائر الحائر۔ الخائف الہائم من لومتہ اللائم

کچھ اور کتب بھی ان کے نام سے منسوب ہیں۔

الاصول العشرہ کے تراجم: فارسی، عربی اور ترکی میں ہونے والے تراجم اور شروح کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عربی میں شرح بنام ''عرائس الاصول فی شرح الاصول'' ایک ناشناش شارح نے محی الدین ابن نقطاچی کے حکم سے کی۔ اسماعیل حقی بروسی نے الاصول العشرہ کا ترکی میں ترجمہ وتشریح کی ہے۔ اس شرح کے دو نسخے بقول نجیب مائل ہروی مصحح الاصول العشرہ شمارہ نمبر (۱۴۱۳) اور شمارہ نمبر (۴۱۱) عاطف آفندی اور نادر پاشا کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

سید علی ہمدانی خلیفہ بنام و المعروف علاء الدولہ سمنانی نے الاصول العشرہ کا فارسی ترجمہ ''دہ قاعدہ'' کے نام سے کیا ہے اور ترجمہ کچھ ایسے انداز میں کیا ہے کہ کچھ فہرست نگار'' رسالہ دہ قاعدہ'' کو سید علی ہمدانی کی تالیف میں شمار کرتے ہیں۔

کمال الدین حسین خوارزمی (جو نویں صدی ہجری کے نیمہ اول کے مشہور عارف ہیں) نے الاصول العشر ہ کا ترجمہ وشرح فارسی میں کی ہے۔

محمد دھدار نیمدہی مولف کتاب معروف وبسیار مفید ''الف انسانیت'' نے نویں صدی ہجری میں الاصول العشر ہ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ اور اس ترجمہ کا ایک نسخہ دانشکدہ الہیات تہران میں شمارہ نمبر ۳/۵۷۰ موجود ہے۔

نویں صدی ہجری کے اواخر اور دسویں صدی ہجری کے اوائل کے ایک مشہور عارف اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کے اصحاب سے مولانا رضی الدین عبدالغفور لاری نے الاصول العشر ہ کا فارسی میں ترجمہ اور شرح کی ہے۔

راقم الحروف کے پیش نظر الاصول العشر ہ کا مولانا عبدالغفور لاری کا فارسی ترجمہ وشرح ہے اور اسے اردو میں منتقل کرنے کا شرف احقر کے حصے میں آیا ہے۔ الاصول العشر ہ کا اردو زبان میں اولین ترجمہ کرنے کی سعادت احقر کو ملی ہے۔

یہاں آپ کے مریدان باصفا کے مختصر حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

1- شیخ مجد الدین بغدادی قدس سرہ

آپ کا نام مجد الدین شرف بن المو ید بن ابی الفتح البغدادیؒ ہے۔ آپ کی کنیت ابو سعید ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ آپ کا تعلق بغداد سے تھا جبکہ بعض اس بات کے قائل ہیں کہ آپ بغدادک سے تعلق رکھتے ہیں جو خوارزم کے دیہات میں سے ایک ہے۔ خوارزمشاہ نے جب خلیفہ بغداد سے حکیم بھیجنے کی استدعا کی تو خلیفہ نے آپ کے والد ماجد کو بھیجا۔ ایکدن آپ بہت سے درویشوں کے ساتھ بیٹھے تھے اور حالت سکر آپ پر طاری تھی۔ آپ نے فرمایا ہم دریا کے کنارے بطخ کے انڈے تھے اور شیخ نجم الدین مرغی تھے۔ انہوں نے ہماری تربیت فرمائی اور ہم انڈوں سے بطخ کے بچوں کی طرح نکل آئے اور دریا کے اندر چلے گئے جبکہ شیخ

حضرت نجم الدین کبریٰ باہر رہ گئے۔ حضرت نجم الدین نے اپنی کرامت کے نور سے جان لیا اور آپ کی زبان مبارک سے بقول صاحب نفحات الانس یہ الفاظ جاری ہوئے کہ ذر دریا میر یعنی دریا میں مرنے کا حکم تھا۔ حضرت شیخ مجد الدین نے جب یہ الفاظ سنے تو ڈر گئے اور شیخ سعد الدین حموئی کے پاس گئے اور بہت زیادہ تضرع زاری کرتے ہوئے کہا کہ جس وقت شیخ (حضرت نجم الدین کبریٰ) خوش ہوں مجھے بتائیں تا کہ میں ان کے حضور آؤں اور عذر ماجرا کروں جس وقت شیخ دوران سماع خوش تھے۔ شیخ سعد الدین حموی نے آپ (شیخ مجدالدین بغدادی) کو آگاہ کیا۔ شیخ مجدالدین پابرہنہ اس حالت میں آئے کہ ایک طشت آگ سے بھرا ہوا آپ کے سر پر تھا اور جوتوں کی جگہ پر کھڑے ہوگئے۔ شیخ حضرت نجم الدین کبریٰ نے آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا چونکہ آپ نے درویشوں کے طریقے کے مطابق معذرت کر لی ہے اس لیے اپنا دین و ایمان سلامت لے گئے ہیں لیکن سر اڑا دیا جائے گا اور موت دریا میں ہوگی اور تمہارے سر کے بدلے میں نہ صرف ہمارا سر بلکہ خوارزم اور اردگرد کے ممالک کے سرداروں کے سر اڑا دیئے جائیں گے اور ملک تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ شیخ مجدالدین اپنے بزرگ شیخ نجم الدین کبریٰ کے پاؤں میں گر پڑے اور تھوڑے ہی عرصے بعد شیخ کے فرمان کے مطابق ہوا جیسا کہ انہوں نے فرمایا تھا۔

شیخ مجدالدین خوارزم میں وعظ فرماتے تھے۔ مادر سلطان محمد جو کہ نہایت حسینہ و جمیلہ تھی آپ کے وعظ کو سننے آتی اور کبھی کبھی آپ کی زیارت سے مشرف ہوتی۔ مدعی موقع کی تلاش میں تھے۔ ایک رات جبکہ سلطان محمد نہایت مستی کے عالم میں تھا عرض پرداز ہوئے کہ تیری والدہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق شیخ مجدالدین کے نکاح میں آ گئی ہے۔ سلطان نے ناراض ہو کر حکم دیا کہ شیخ کو دجلہ میں ڈال دیں۔ جب یہ خبر شیخ نجم الدین کبریٰ تک پہنچی بقول

صاحب نفحات الانس آپ کی حالت متغیر ہوگئی اور فرمایا۔ انـا لـلــه و انـا الیـه راجــعــون ۔ ہمارے فرزند مجد دالدین کو پانی میں ڈال دیا گیا اور وہ مرگیا۔ پس آپ نے اپنے سر مبارک کو سجدے میں رکھا اور کچھ وقت حالت سجدہ میں رہے۔ پس سر سجدے سے اٹھایا اور فرمایا کہ ہم نے خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں درخواست کی ہے کہ وہ میرے بیٹے (مجد دالدین) کے خونبہا میں سلطان محمد سے ملک چھین لے اور اللہ تعالیٰ نے اس استدعا کو اجابت بخشی ہے۔ جب سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی نہایت پشیمان ہوا۔ پیادہ پا حضرت نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک طشت جو پُر از زر تھی اور اس کے اوپر شمشیر و کفن رکھا ہوا تھا۔ سر برہنہ کر کے کھڑا ہوگیا اور عرض کرنے لگا اگر دیت چاہیئے تو یہ زر ہے اگر قصاص چاہیئے تو یہ تلوار اور سر ہے۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کـان ذالـک فـی الـکتاب مسـطـوراً۔ اس کی دیت تمہارا تمام ملک ہے اور اس کے بدلے میں تمہارا سر بھی جائے گا اور بہت سی خلق کے سروں کے علاوہ ہمارا اپنا سر بھی جائے گا۔ سلطان محمد مایوس واپس لوٹا۔ اس کے بعد چنگیز خان نے خروج کیا۔ پھر ملک خوارزم اور اہل خوارزم پر جو گزری سو گزری۔ شیخ مجد الدّین کے بہتان کے سبب شہید کرنے کے واقعہ کو صاحبِ نفحات الانس کے علاوہ صاحبِ تاریخ گزیدہ و صاحبِ جامع التواریخ نے بھی بیان کیا ہے۔

واضح رہے کہ بہاء الدین بغدادی جو کہ خوارزمشاہ کے منشی اور صاحبِ الترسل الی الرسل ہیں آپ کے بھائی ہیں۔

آپ شعر بھی کہتے ہیں۔ تاریخ گزیدہ میں آپ کے دو شعر دیے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

یک موئے ترا ہزار صاحب ہوس است ۔۔۔ تا خود بتو زین جملہ کرا دسترس است
آن کس کہ بیافت دولتی یافت عظیم ۔۔۔ وان کس کہ نیافت درد نا یافت بس است

2- شیخ سعد الدین حموی قدس سرہٗ

صاحب نفحات الانس کے مطابق آپ کا نام نامی محمد بن المویدبن ابی بکر بن ابی الحسن بن محمد بن حمویہ ہے اور آپ حضرت شیخ نجم الدّین کبریٰ قدس سرہ کے اصحاب سے ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ روز گار تھے۔ شیخ کی تالیفات بہت زیادہ ہیں۔ آپ کی تالیف المصباح فی التصوف، تصوف کے نظری مطالب پر بہت معروف ہے۔ آپ کی تالیفات عام طور پر ابہام اور پُر اسراریت سے معمور ہیں۔ عام قاری کے لیے ان کے مفاہیم تک رسائی مشکل ہے۔

3- شیخ نجم الدّین دایہ قدس سرہٗ

شیخ نجم الدّین دایہ کی تصانیف میں سے ایک مرصاد العباد ہے۔ فتنہ مغول کے زمانے میں آپ سلاطین سلجوقیہ کے پاس روم تشریف لے گئے۔ وہیں فرمان حق پہنچا اور قونیہ (ترکی) میں مدفون ہوئے۔ آپ کے اشعار میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

عشق است کہ دوای جان این دل ریش است   ز اندازہ ہر ہوس پرستی بیش است
چیزی است کہ از ازل مرا در سر بود   کاری است کہ تا ابد مرا در پیش است

4- شیخ سیف الدّین باخرزی قدس سرہٗ:

فوائد الفواد اور درر نظامی میں حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے حوالے سے آپ کے بارے میں بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ لیکن اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف چند واقعات رقم کیے جاتے ہیں: یہ کہ آپ مرید کیسے ہوئے۔

حضرت خواجہ موصوف نے فرمایا کہ شیخ سیف الدّین باخرزی جب جوان تھے اور وعظ کے دوران میں مشائخ اور اہل فقر کی جماعت کو بہت برا بھلا کہا کرتے تھے اس کی خبر شیخ نجم الدّین کبریٰ قدس سرہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ

تم مجھے ان کے وعظ میں لے چلو۔ آپ کے جو خدمتگار وہاں موجود تھے انہوں نے کہا کہ آپ کا ان کے وعظ میں جانا مناسب نہیں۔ وہ درویشوں اور مشائخ کو بہت بُرا بھلا کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ آپ کی موجودگی میں بھی بدتمیزی کریں اگرچہ خدمتگاروں نے آپ کو جانے سے روکنے کے لئے بہت کچھ کہا لیکن آپ برابر یہ کہتے رہے کہ مجھے ان کے وعظ میں ضرور لے چلو جب آپ کا اصرار بہت بڑھ گیا تو آپ کو شیخ سیف الدّین باخرزی کے وعظ میں لے جایا گیا تو انہوں نے اس دن اپنے وعظ میں پہلے سے بھی زیادہ جماعت مشائخ کو برا بھلا کہا باوجود اس کے کہ انہوں نے نہ کہنے والی باتیں کہیں۔ آپ دوران وعظ برابر سر ہلاتے رہے اور آہستہ آہستہ کہتے رہے کہ سبحان اللہ اس نوجوان میں کتنی قابلیت ہے۔ مختصر یہ کہ جب شیخ سیف الدّین باخرزی وعظ ختم کر کے منبر سے اترے تو آپ مجلس وعظ سے اٹھ کر جانے لگے جب آپ مسجد کے دروازے کے نزدیک پہنچے تو آپ نے گردن موڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ابھی وہ صوفی نہیں آئے۔ اسی لمحے شیخ سیف الدّین باخرزی لوگوں کی بھیڑ کے اندر سے نعرے لگاتے ہوئے اور کپڑے پھاڑتے ہوئے آئے اور آپ (شیخ نجم الدّین کبریٰ) قدس سرہ کے قدموں پر گر پڑے شیخ شہاب الدّین سہروردی قدس سرہ بھی اس مجلس میں موجود تھے وہ بھی آگے بڑھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ کے قدموں پر گر پڑے۔ غرض دونوں یعنی شیخ سیف الدّین باخرزی اور شیخ شہاب الدّین سہروردی آپ کے مرید ہوگئے۔ اور دونوں نے اپنے سر منڈوائے۔ کہتے ہیں جب شیخ نجم الدّین قدس سرہ جب مسجد سے گھر جا رہے تھے تو شیخ سیف الدّین باخرزی پیادہ پا ان کے دائیں طرف اور شیخ شہاب الدّین سہروردی ان کے بائیں طرف چل رہے تھے۔ اس طرح شیخ سیف الدّین نے آپ کے دائیں پاؤں کا موزہ اتارا اور شیخ شہاب الدین نے بائیں پاؤں کا اس طرح کے علاماتی عمل نتائج کے ساتھ مخصوص

ہیں۔ اس وقت شیخ نجم الدّین کبریٰ نے شیخ سیف الدّین باخرزی سے فرمایا تھا تمہیں دنیا سے پورا حصہ ملے گا اور آخرت میں اس سے بھی زیادہ ملے گا۔ آپ نے شیخ شہاب الدّین قدس سرہ سے فرمایا تھا کہ تمہیں دنیا اور آخرت میں راحت و طمانیت ملے گی لیکن سیف الدّین کو زیادہ ملے گی۔

بعد ازاں آپ نے شیخ سیف الدین باخرزی سے فرمایا کہ تم بخارا جاؤ اور وہاں جا کر سکونت اختیار کرو۔ ہم نے تمہیں وہ علاقہ عطا کیا ہے۔ شیخ سیف الدین نے عرض کیا وہاں بہت علماء ہیں اور ان کا اہل معرفت اور فقر کے خلاف تعصب اور سینہ زوری آپ کو معلوم ہے وہاں میرا حال کیا ہوگا۔ شیخ نجم الدین کبریٰ نے فرمایا تمہارا کام جانا ہے باقی چیزیں میں جانتا ہوں۔

حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ زمانہ کتنا اچھا تھا جس میں یہ پانچ بزرگ شیخ ابو الغیث یمنی، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ سعد الدین حموی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور شیخ الاسلام فرید الدین رحمتہ اللہ علیہم موجود تھے۔

نظم ونثر کے بارے میں گفتگو ہوئی حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ بعض مشائخ نے بہت اچھے اور بڑی کثرت سے شعر کہے ہیں۔ جیسے شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ ابو سعید ابو الخیر اور دوسرے بزرگ رحمتہ اللہ علیہم بالخصوص شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ کو شاعری سے بہت لگاؤ تھا اور وہ خوب شعر کہتے تھے۔ ایک دفعہ شیخ موصوف کے مریدوں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہر شیخ نے کوئی نہ کوئی کتاب اور تالیف چھوڑی ہے آپ کیوں کوئی چیز نہیں لکھتے انہوں نے جواب دیا کہ میرا ہر شعر ایک کتاب کے برابر ہے۔ آپ کے دو اشعار تبرکاً درج کیے جا رہے ہیں۔

ای مردان ہای و ای جوانمردان ہوی ۔۔۔ مردی کنی و نگاہ داری سرکوی
ورتیر آید چنانکہ بشگافد موی ۔۔۔ زنہار کہ از دوست نگردانی روی

حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہ نے آپ (شیخ سیف الدین باخرزی) کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ انہی دنوں انہوں نے اپنے پیر شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ ان سے کہہ رہے ہیں کہ اشتیاق بہت بڑھ گیا ہے۔ اب آجاؤ شیخ سیف الدین نے یہ خواب دیکھا تو اس ہفتے کے دوران میں انہوں نے وعظ کیا اور اس وعظ میں تمام کا تمام مضمون فراق وجدائی اور الوداع کہنے کا ذکر تھا خلقت حیران رہ گئی کہ شیخ سارا وعظ فراق وجدائی کے بارے میں کہہ رہے ہیں اس وقت انہوں نے یہ شعر پڑھا جس کی ردیف خیر باد ہے۔

رفتم ای یاران بسامان خیر باد   نیست آسان درد ہجران خیر باد

جب یہ شعر پڑھ چکے تو حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے مسلمانوں جان لو اور آگاہ رہو کہ میرے پیر شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ العزیز نے مجھے خواب میں کہا ہے آجاؤ چنانچہ میں جا رہا ہوں الوداع

یہ کہا اور منبر سے اتر آئے اور انہیں دنوں انتقال فرما گئے

آپ کا سال وفات 658ء ہے آپ کا مزار شریف بخارا (ازبکستان) میں ہے۔

دررِ نظامی میں مرقوم ہے کہ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کی وفات کے تین سال بعد حضرت بہاء الدین زکریا نے اور ان کے تین سال بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے رحلت فرمائی۔

5- شیخ جمال الدین گیلی قدس سرہٗ

آپ نظم و نثر خوب لکھتے تھے۔ قزوین (ایران) میں وفات پائی۔ آپ کی تاریخ وفات یہ کہی گئی ہے۔

جمال ملت و دین قطب اولیاء خدا   کہ آستانہ او بود قبلہ ابدال

بسال ششصد و پنجاہ و یک بحضرت رفت   شب دو شنبہ ، روز چہارم شوال

اتوار کی رات 4 شوال 651ھ کو آپ نے رحلت فرمائی۔

6- شیخ رضی الدین لالہ قدس سرہٗ

آپ نے 642ھ میں مستعصم باللہ خلیفہ عباسی کے زمانے میں وفات پائی۔

دیباچہ و مقدمہ مترجم فارسی

(از عبدالغفور لاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

و بہ نستعین

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولاان ھدانا اللہ والصلاۃ والسلام علی محمد الھادی لطرق السدادو علی آلہ وصحبہ السالکین مسلک الرشاد

فقیر حقیر کم مایہ نیاز مند عبدالغفور لاری گزارش کرتا ہے کہ میں نے چند کلمات اس رسالہ الاصول العشرہ کے فارسی ترجمہ اور شرح کے بارے میں لکھے ہیں جو اصحاب صفا کے پیشوا اور ارباب وفا کے قطب شیخ الکبیر ابوالجناب نجم الدین کبریٰ قدس اللہ سرہ نے طریقہ شطار کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ (اللہ ہمیں ان کے عرفان کے صدقے میں روحانی پاکیزگی عطا فرمائے اور ان کے اوصاف عالیہ

کے اثرات سے محروم نہ کرے) اور نیز میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ارشاد مبارک "اوتیت جوامع الکلم" کی وضاحت کی ہے اور اس طریقے کا ایک ہی مقصد متعین کیا ہے اور اس سے مراد موت لی ہے۔

ہر چند فقیر اس کام کو سرانجام دینے کے لیے موزوں نہیں تھا لیکن بعض کرمفرماؤں کے ارشاد کی تعمیل کی (اللہ انہیں سلامت اور باقی رکھے) جن کی اس فقیر پر نظر التفات ہے اور فقیر بھی ان سے اخلاص رکھتا ہے۔ انہوں نے فرمائش کی اور میں ان کے کہنے پر اس کام میں مصروف ہوگیا اور جو باتیں میں نے بذریعہ مطالعہ کتب یا سماع از بزرگان حاصل کی تھیں بعد از ترجمہ میں نے ان نکات کو شرح میں بیان کر دیا ہے اور اس سلسلے کو میں نے "بین الترجمہ والشرح" کا نام دیا تا کہ اللہ کا فضل ہمارے شامل حال رہے۔

ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا

اے ہمارے رب مت پکڑ ہم کو اگر بھول گئے ہم یا خطا کی ہم نے

قال الشیخ قدس اللہ تعالیٰ سرہ الطرق الی اللہ تعالیٰ بعدد انفاس الخلایق

ترجمہ: شیخ نے فرمایا (اللہ اس کی روح کو پاک کرے) کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے اتنے زیادہ ہیں جتنی کہ لوگوں کی سانسوں کی تعداد ہے۔

❁

بلاشبہ اس کا مطلب ومقصد راستوں کی کثرت اور ان کا انگنت ہونا ہے ہر چند کہ ان کی اقسام صرف تین ہیں اور بے نہایتی کا تعلق مراتب سے ہے۔ اور اگر اس بات میں شبہ ہے تو اس کی مثال حسب ذیل ہوگی۔

مثلاً نماز جو کہ ظاہری اعمال میں سے ہے اس کا ایک رکن قرأت ہے اور اس میں کثرت مراتب کا تصور ممکن ہے۔

مرتبہ اول: قرأت کی درستی ہے اسی زبان میں جس میں قرآن پاک نازل ہوا اور اس کا نہ ہونا یعنی قرأت کی درستی نہ ہونا ہے

مرتبہ دوم: قرآن شریف کے معنی پر غور وخوض ہے اور غور وخوض نہ کرنا۔ نیز ظاہری اور باطنی معانی میں فرق اور باطنی معانی کے

مراتب کو پیش نظر رکھنا۔

مرتبہ سوم: مقتدی کا لحاظ یا عدم لحاظ اور اس کے درجات۔

مرتبہ چہارم: خضوع و خشوع اور اس کے مراتب۔

مرتبہ پنجم: ان اوقات و احوال کی ہم آہنگی کا اندازہ لگانا جو درجہ قرأت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جب ایک رکن کا حال تمہیں معلوم ہو جائے گا تو نماز کے باقی ارکان اور نیز سب ظاہری و باطنی اعمال کا اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

وطریقنا الذی نشرع فی شرحه اقرب الطرق الی الله تعالیٰ و اوضحها وارشدها

اور ہمارا طریقہ جس کی ہم شرح کرنے لگے ہیں "اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا قریب ترین، واضح ترین اور درست ترین راستہ ہے۔

وہ نزدیک ترین اس بنا پر ہے کہ سالک جلد مقصد تک پہنچ سکتا ہے اور اسی لئے اس راہ پر چلنے والے کو طائر (پرندہ) کہتے ہیں اور اس کے روشن ترین ہونے کی وجہ سے صبح ازل کی روشنی آغاز حال میں ہی اس پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی سالک کام شروع کرتے ہی منزل پر پہنچ جاتا ہے اور چونکہ یہ راستہ مقصد آخر تک لے جاتا ہے اور اس ابدی راستے پر چلنے والا ایسا شخص ہے جس کا عمل کبھی ختم نہیں ہوتا بخلاف ان دو راستوں کے جو موت طبیعی کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں اور یہ مکمل ترین راستہ اس وجہ سے ہے کہ تفرقے سے دور اور جمعیت کے قریب ہے اور اس مقولے " انا صاحبک فی السفر "اس سفر کا کرنیوالا ان امور کا منتظم ہے جو کہ ان کو سرانجام دیتا ہے۔

وذلک لان الطرق مع کثرۃ عددها محصورۃ فی ثلاثة انواع

ترجمہ: کیونکہ سلوک کے راستے باوجود کثرت کے تین اقسام میں محدود ہیں۔

ہمارا راستہ نزدیک تر، روشن تر اور مکمل تر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ سلوک کے راستوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان کی اقسام صرف تین ہیں اور جب ان اقسام کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو اس طریقے سے اس نسبت کی وجہ بھی واضح ہو جائے گی۔

احدھا طریق ارباب المعاملات بکثرۃ الصوم و تلاوۃ القرآن والحج والجھاد و غیرھامن الا عمال الظاھرۃ وھو طریق الاخیار، فالو اصلون بھذا الطریق فی الزمان الطویل اقل من القلیل

یعنی: پہلی قسم ارباب معاملہ کی روش ہے کہ ان کا روزے، نماز، تلاوتِ قرآن، حج اور جہاد وغیرہ کے اعمال ظاہریہ سے لین دین مقصود ہے اور راستے سے مقصد تک پہنچنے والے باوجود محنت شاقہ کے بہت کم ہوتے ہیں۔

اس راہ پر چلنے والے بہت کم اپنے مقصد اصلی تک پہنچتے ہیں کیونکہ یہ راستہ دادوستد کا ہے جس کا تعلق اعمال ظاہری سے ہے۔ یہ ظاہری زندگی کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ جیسا کہ اکابر صوفیہ نے اس کی وضاحت کی ہے اور کبھی یہ جماعت اپنے مقصد تک رسائی میں اس لیے کامیاب ہو جاتی ہے کہ اعمال ظاہری کیوجہ سے طہارت ظاہری پیدا ہو جاتی ہے اور ظاہری طہارت انسان کے باطن پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جس طرح باطنی حالات ظاہر پر اثر انداز ہوتے ہیں اور باطن کی طہارت باطن کے آئینے کو جلا بخشنے کا موجب ہوتی ہے اور ممکن ہے جلا اس حد تک پہنچ جائے کہ مقصد حقیقی بالکل واضح ہو جائے۔

وثانيها طريق ارباب المجاهدات والرياضات في تبديل الاخلاق و تزكيةالنفس وتصفية القلب وتجلية الروح والسعي فيما يتعلق بعمارة باطن وهو طريق الابرار فالو اصلون بهذا الطريق اكثر من ذلك الفريق، لكن وجود ذلك من النوادر كماسال ابن منصور عن ابراهيم الخواص في اى مقام تروض نفسک؟ قال اروض نفسى في مقام التوكل منذثلاثين سنة فقال افنيت عمرک فی عمارة الباطن فاين انت من الفنافى الله

ترجمہ: دوسرا طریقہ ان لوگوں کا ہے جو اعمالِ سیّہ کو اعمالِ حسنہ سے بدلنے کے لیے مجاہدے اور ریاضتیں کرتے ہیں۔ نفس کو الائشوں سے پاک کرتے اور دل کو کدورتوں سے صاف کرتے ہیں اور کثرت کے زنگ کو جلا بخشتے ہیں اور جس چیز کا تعلق باطن سے ہے اس کے بارے میں کوشاں رہتے ہیں۔ یہ ابرار کا راستہ ہے اور اس راستے سے کامیاب ہونے والوں کی تعداد گذشتہ راستے کے لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن یہ نوادرات سے ہیں۔ چنانچہ ابن منصور نے ابراہیم خواص سے پوچھا کہ تم کس مقام پر اپنے نفس کی ریاضت میں مصروف ہو تو انہوں نے جواب دیا۔ تیس سال سے مقامِ توکل سے ریاضت نفس میں مصروف ہوں۔ ابن منصور نے کہا تو نے اپنی زندگی تعمیر باطن میں ضائع کر دی اور ذات باری میں فنا ہونے سے تو ابھی دور ہے۔

مجاہدہ نفس کو ان بدنی مشقتوں پر آمادہ کرنا ہے۔ جن سے مزاج میں سستی پیدا ہوتی ہے اور ریاضت اکثر مشائخ کے نزدیک (خدا ان کی روح کو

پاک کرے) خواہشات نفس سے باہر آنا ہے اور شیخ محی الدین قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ نفس کی خواہشات سے نکل بھاگنا درست نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس ، نفس نہ رہے۔ اس لیے ان کے نزدیک اخلاق کی درستی اور نفس کی سرکشی کو مطیع کرنا اور شریعت کے اندازے کے مطابق اسے قابو کرنا ہے اور خلق اس صفت کو کہتے ہیں جو نفس کے اندر پختہ ہو اور جس سے کام آسان ہو جائے اور اگر وہ کام پسندیدہ ہو تو اسے اچھی خصلت کہیں گے اور اگر ناپسندیدہ ہو تو اسے ناپسندیدہ خصلت کہیں گے اور برے اخلاق بدلنا اگرچہ ضروری ہے لیکن اس کو اپنا مقصد بنالینا جناب باری سے دوری کا سبب ہو سکتا ہے۔ اور حق کو اپنا نصب العین بنا لینے اور اس میں اپنے آپ کو فنا کر دینے کی خواہش سے قرب الٰہی کے علاوہ بلا مجاہدے اور ریاضت کے اس کے اخلاق بدل جائیں گے جیسا کہ اس کتاب میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ کیونکہ مجاہدے اور ریاضت کے طریقے سے جناب باری تک رسائی حاصل کرنے والوں کی تعداد ان لوگوں سے زیادہ ہے جو دادوستد کے ذریعے اس تک پہنچتے ہیں کیونکہ وہ اپنے باطن کی تربیت کرتے ہیں اور تخلیے میں خدا کے قریب تر ہو جاتے ہیں لیکن جو لوگ رسائی کم حاصل کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ راستہ صفات سے ہو کر اللہ تعالیٰ تک جاتا ہے۔

وثالثها طریق السائرین الی الله و الطائرین بالله وهو طریق الشطار من اهل المحبة السالکین بالجذبة ، فالو اصلون منهم فی البدایات اکثر من غیر هم فی البنهایات

ترجمہ: ان اقسام میں سے تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرتے ہیں اور خدا کی قوت سے نہ کہ اپنی قوت و ہمت سے اس (خدا تعالیٰ) کی جانب اڑ کر پہنچتے ہیں۔ یہ شوخ اور بے باک لوگوں کا راستہ ہے کہ جن پر محبت کا غلبہ ہوتا ہے اور اس جذبے کی کشش سے

کھنچے چلے جاتے ہیں۔ اس طائفہ (گروہ) کے ابتدائے کار ہی میں خدا
تک پہنچنے والوں کی تعداد دوسرے طریقوں سے رسائی حاصل کرنے
والوں کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہے۔

اس طریقہ میں ابتدا ہی میں وصال حق حاصل ہونا ان دو طریقوں میں
انتہا تک پہنچ کر وصال حق حاصل ہونے سے زیادہ عام ہے۔ پس جب طریقہ
اول کے ابتدا میں یہ حال ہے تو اس کے وسط یعنی درمیانی حصہ میں وصال حق کے
مراتب اور بھی زیادہ ہیں۔ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ اس طریقہ کو دوسرے
دونوں طریقوں پر ترجیح دینا اور اس کی طرف ترغیب دینا ہے۔

سیر سے مراد ہے ایک فعل سے دوسرے فعل کی جانب منتقل ہونا یا ایک
ترک سے دوسرے ترک کی طرف یا ایک فعل سے ترک کی طرف یا ایک ترک
سے فعل کی طرف یا ایک حال دوسرے حال کی طرف یا ایک مقام سے دوسرے
مقام کی طرف یا حال سے مقام کی طرف یا مقام سے حال کی طرف یا ایک تجلی
سے تجلی کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے اور سیر الی اللہ سے مراد یہ ہے کہ اس فعل
یعنی سیر و سلوک میں مقصد و مدعا سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہ ہو اور اسی
وجہ سے سالکین اس سیر کو سیر الی اللہ کہتے ہیں۔

فهذا الطريق المختار مبني على الموت بالا رادة

قال عليه الصلوٰة والسلام :— موتوا قبل ان تموتوا

یعنی یہ راہ جو کہ ہم نے اختیار کی ہے اس کی بنیاد اختیاری موت پر ہے
جیسا کہ حدیث پاک میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مرجایئے اس سے پہلے کہ موت آجائے

یعنی طبعی موت سے پہلے جو کہ روح کا جسم سے جدا ہونا ہے۔ اپنی مرادوں اور مانوسات سے جو کہ تمہاری پیدائش سے لے کر اختتام تک متمکن ہیں۔ دستبردار ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو اپنی مراد بنا لو کیونکہ اس طرح مرنے کا نتیجہ حیات حقیقی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک دن امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ؓ گزر رہے تھے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مردہ کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس شخص کو دیکھ لے اور اگر کوئی موت طبعی سے مرتا ہے نہ کہ موت ابدی سے تو ایسے شخص کے لیے یہ وعید صادق آتی ہے۔

"ویل لمن انتبه بعد الموت" یعنی افسوس اس شخص پر جو مرنے کے بعد آگاہ ہو۔

بعض کہتے ہیں کہ اضطراری موت میں روح بدن سے متعلق ہوتی ہے جیسا کہ یہ بدن ہے اور اس بدن کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور اپنے اختیارات سے مرنے سے مراد یہ ہے کہ مرادات طبعی کو اس طرح ترک کر دیا جائے کہ روح اس بدن سے متعلق ہو جائے اور اس بدن کے لیے رفتار ہے اور ایسے شخص کے لیے عروج اور بدن کی رفتار اس وقت منقطع ہوتی ہے۔ جب وہ عروج کی قوس میں گم ہو جاتی ہے۔

وهو محصور فی عشرة اصول

یعنی ارادے سے مرنا دس اصولوں سے باہر نہیں ہے جب وہ اصول قائم ہو جاتے ہیں اپنے ارادے سے مرنا کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ مشائخ قدس اللہ اسرار ہم کہتے ہیں کہ طریقہ تصوف کی بنیاد کم وبیش ہزار مقام پر ہے اور کوئی بھی دس کا قائل نہیں ہوا۔ اس کا جواب

یہ ہے کہ موت کا طریقہ ان طریقوں سے ہٹ کر ہے جو مشائخ کے بیان کردہ ہیں جبکہ ان دس اصولوں میں تمام مقامات درج ہیں۔

فتلک[1] عشرة کاملة پس یہ دس ہوئے پورے

ا۔ آیت قرآنی میں "ف" نہیں ہے وہاں "تلک عشرة کاملة" ہے۔ یہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۹۶ ہے۔ جبکہ الاصول العشرہ کے مولانا عبدالغفور کے مقدمے میں ص ۳۹ پر آیت قرانی میں "ف" زائد ہے۔

(مترجم اردو الاصول العشرہ)
محمد غضنفر علی وڑائچ

متن
الاصول العشرہ

الاصل الاول فی التوبہ

ترجمہ: اصل اول توبہ ہے۔ اور توبہ اللہ تعالیٰ کی طرف ارادہ کے ساتھ رجوع کا نام ہے۔ جیسا کہ طبعی موت رجوع الیٰ اللہ ہے لیکن ہے بلا ارادہ چنانچہ انسان زندگی ختم ہونے کے وقت اس حکم ارجعی الیٰ ربک (پھر جا طرف پروردگار اپنے کے) پر جس کا مخاطب نفس مطمئنہ ہے مامور ہوتا ہے۔

سالکین کی توبہ سے مراد تمام گناہوں کو چھوڑ دینا ہے اور گناہ وہ چیز ہے جو تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے سے روکتی ہے۔ خواہ وہ دنیوی مراتب ہوں یا اخروی مراتب۔ طالب حق پر لازم ہے کہ خدا کے علاوہ ہر مقصود سے دست کش ہو جائے۔ یہاں تک کہ اپنے وجود کو بھی چھوڑ دے۔ کیونکہ صوفیا کا قول ہے وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب یعنی ہمارا وجود ایسا گناہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔

توبہ انسانی اعمال پر مرتب ہونے والے نتیجے کو کہتے ہیں جو خدائی محبت کا باعث بنتے ہیں جیسا کہ فرمان حق ہے۔ ان اللہ یحب التوابین (تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو)

توبہ کے معنی گناہ سے دوری اختیار کرنا ہے اور گناہ کی تین اقسام ہیں۔

1- گناہ کی پہلی قسم حرام فعل کرنا اور فرض کاموں کو چھوڑنا ہے۔ ان دونوں سے بچنا، ہر ایک پر لازم ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ومن لم یتب فاولئک هم الظلمون (اور جس نے نہ توبہ کی پس یہ لوگ وہ ہیں ظالم)

2- گناہ کی دوسری قسم مکروہ باتوں کو کرنا اور مسنون باتوں کو چھوڑنا ہے۔ پاک دل لوگوں سے ایسے افعال کا سرزد ہونا ناپسندیدہ ہے اور ان گناہوں کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

3- گناہ کی تیسری قسم وہ کام ہیں جو سالکین کو بارگاہ ایزدی میں حضوری یا بلند مراتب سے روکتے ہیں۔ اس جماعت کے لیے ان باتوں کو چھوڑنا بھی لازم ہے چنانچہ بعض لوگوں نے اس توبہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث **انی لاستغفر اللہ کل یوم سبعین مرۃ** کے مطابق کہا ہے۔

یہاں (یعنی اس حدیث مبارکہ میں) ستر سے مراد ستر نہیں بلکہ کثرت ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت ایک مرتبے سے دوسرے مرتبے تک ترقی فرماتے رہتے تھے اور اس سے نچلے درجے پر استغفار کرتے تھے۔ اور اس نوع کے گناہ کی صورت یہ ہے کہ انسان اپنے وجود پر نظر ڈالے بلکہ یہی بات تمام گناہوں کی جڑ ہے چونکہ دوسرے گناہ اس کی وجہ ہی سے سرزد ہوتے ہیں اور جب وہ اپنی ذات کے تصور کو بھول جائے گا تو باقی سارے گناہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ جو لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں انہوں نے اس مقولے **وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب** کا ایک اور مطلب بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو علیحدہ سمجھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ چونکہ سب اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کی وجہ سے موجود ہیں، نہ کسی اور وجود کی وجہ سے جو وجود باری تعالیٰ سے

مختلف ہے۔ پس وجود مبائن کو تسلیم کرنا گویا وجود باری میں کسی کو شریک کرنا ہے۔ اور وجود میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جیسا کہ الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کا ایک اور مفہوم یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ اپنے وجود کو نظر میں رکھنا اور خدا کے حضور میں اپنے وجود کو دیکھنا بہت بڑا گناہ ہے۔

شیخ محی الدین ''فتوحات مکیہ'' میں کہتے ہیں کہ:

> ''لوگوں نے توبہ کی یوں تعریف کی ہے کہ فوراً گناہوں کو ترک کرنا اور جو گزر گیا (یعنی جو گناہ سرزد ہو گیا) اس پر پشیمان ہونا اور اس بات کا پختہ عزم کرنا کہ وہ کام (گناہ) دوبارہ نہیں کرے گا۔''

لیکن جہاں تک پختہ ارادے کی بات ہے تو وہ یہ کہ توبہ کرنے والے کا حال تین صورتوں سے باہر نہیں ہوتا یا تو اسے علم ہے کہ گناہ اس سے کروایا جا رہا ہے۔ اس صورت میں اس کا ترک گناہ کا ارادہ ممکن نہیں۔ یا وہ جانتا ہے کہ اس سے (گناہ) نہیں کرایا جا رہا ہے۔ اس صورت میں عزم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یا وہ اجرا اور عدم اجرا کے بارے میں تذبذب کا شکار ہے۔ اس صورت میں اگر وہ ارادہ کرتا ہے تو اس بات کا احتمال ہے کہ وہ ایفائے عہد پر قائم نہیں رہے گا اور وہ عہد توڑنے والوں کی صف میں شامل ہو جائے گا۔ اور ایسے لوگوں کے حق میں (خدائی) وعید ثابت ہے۔

پس مناسب یہ ہوگا کہ وہ عزم کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات میں پناہ تلاش کرے اور گناہوں کے اجرا سے جناب باری تعالیٰ میں تضرع وزاری کرے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس طریقے کو اختیار کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ توبہ سے بھی توبہ کرنی چاہیئے۔ اپنی توبہ کے خیال کو دل سے

نکال دے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر نظر رکھے کہ وہ مقام قہر سے مقام لطف میں اور مقام بندگی سے مقام قرب میں پہنچ گیا ہے۔ اس عبارت کے ایک اور معنی بھی ہیں کہ چونکہ توبہ ماسوا اللہ میں داخل ہے۔ اس لیے اسے ترک کر دینا چاہیے اور اس توبہ سے بھی توبہ کر لے۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ حق کی طرف رجوع کرے اور اسی کی ذات پر نظر رکھے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ توبہ کے ذکر سے گناہ یاد آتا ہے اور گناہ کے تصور سے انسان کی روح کی پاکیزگی مکدر ہو جاتی ہے۔

الاصل الثانی فی الزھد

ترجمہ: دس اصولوں میں سے دوسرا اصول دنیا میں زہد اختیار کرنا ہے اور زہد کا مطلب فائدہ مند اشیاء اور ان کی خواہش سے کنارہ کشی ہے۔ خواہ کم ہوں یا زیادہ۔ مال کی صورت میں ہوں یا جاہ و منصب کی صورت میں جیسا کہ طبعی موت کے سبب (انسان) ان چیزوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور حقیقت زہد یہ ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کی خواہش چھوڑ دے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اہل آخرت پر دنیا حرام ہے کیونکہ وہ دنیاوی مال و متاع سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور اہل دنیا پر آخرت حرام کیونکہ آخرت کے فوائد سے فیض یاب ہونا اہل دنیا کے مقدر میں نہیں اور اہل اللہ پر دنیا و آخرت دونوں حرام ہیں کیونکہ وہ دونوں سے نہ تو فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ ہی لطف اندوز ہوتے ہیں۔

جو کوئی سالک گناہوں کے بھنور اور لغزشوں سے بچ نکلتا ہے تو ہوا و ہوس کا رنگ اس کے آئینہ دل سے ہٹ جاتا ہے۔ نہ صرف دنیا کی حقیقت بلکہ آخرت کی حقیقت بھی جیسی کہ وہ ہے اس پر منکشف ہو جاتی ہے۔ پس سالک ان سے منہ موڑ کر حق تعالیٰ کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ اسی سبب سے زہد کو توبہ کے بعد

بیان کیا گیا ہے۔

زھد رغبت کا ترک کرنا ہے۔ اور اس کی دو اقسام ہیں۔

1- پہلی قسم دنیاوی فوائد اور لذات کو چھوڑنا ہے مثلاً کھانا پینا، شادی بیاہ، مال و دولت اور شہرت کی خواہش کرنا اسی طرح بادشاہوں کا تقرب و حکمرانی اور اس جیسی چیزوں سے لطف اندوز ہونا۔ ان دلچسپیوں کے ترک کا دارومدار آخرت کی رغبت پر ہے کیونکہ دنیا فانی ہے اور آخرت لافانی۔

2- دوسری قسم یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی رغبت کو چھوڑنا اس نقطہ نظر سے کہ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ کے مقابلے میں دنیا و آخرت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ زہد کی پہلی قسم کا تعلق ہمیشہ باقی رہنے والی نفسانی لذات کی رغبت سے ہے پس ترک رغبت کی صورت پیدا ہی نہیں ہوئی کیونکہ اس رغبت کی بجائے اس جیسی یا اس سے کامل تر رغبت پیدا ہوگئی ہے اور یہ رغبت کاملہ حق کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ پس طالبان حق کے لیے ضروری ہے کہ ان کی خواہش جس طرح دنیا سے منقطع ہوئی ہے اسی طرح آخرت سے بھی منقطع ہو جائے وہ سوائے حق کے کسی چیز سے مطمئن نہ ہوں۔ اگر کوئی شخص پوچھے کہ مقام زہد کسے میسر ہوگا تو یہ مقام اسی شخص کو حاصل ہوگا جو کسی چیز کا مالک ہو لیکن جو کسی چیز کا مالک نہیں اسے مقام زہد کیسے حاصل ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں کسی چیز کی رغبت ہے جب وہ اس رغبت کو چھوڑ دے گا تو اسے زہد کا مقام حاصل ہوگا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ چونکہ زہد کے معنی ترک رغبت کے ہیں پس وہ جاہ و مال کے ساتھ کیسے جمع ہوسکتا ہے اور اکثر مشائخ نے اس کو منتہیوں کے لئے تجویز کیا ہے جبکہ مبتدیوں کے لیے اسے تجویز نہیں کیا۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ زہد سے بھی زہد ہونا چاہیے یعنی یہ کہ زہد کو مطمح نظر نہ بنائے اور اسے مقصود اصلی نہ سمجھے بلکہ مقصود اصلی ذات باری تعالیٰ ہے۔

الاصل الثالث فی التوکل

ترجمہ: دس اصولوں میں تیسرا اصول اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد ہے۔ توکل کا مطلب یہ ہے کہ انسان ذات باری پر اعتماد کی وجہ سے اسباب وکسب سے یکبار قطع تعلق کر لے جس طرح کہ موت کے وقت اسباب اور کسب کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اس وعدے کی وجہ سے ہے۔ فرمان ایزدی ہے۔ **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ** (اور جو کوئی توکل کرے اوپر اللہ تعالیٰ کے پس وہ کفایت ہے اس کو) یعنی جو کوئی اپنے کام کو خدا پر چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے اور وہ اس کی مشکلوں کو حل کرتا ہے۔

دنیا کی رغبت حصول مال وجاہ کے اسباب کی تلاش پر مبنی ہے۔ رغبت دنیا کے لیے لازم ہے کہ انسان مال وجاہ کے اسباب کے حصول کی کوشش کرے اور جب دنیا سے رغبت ختم ہو جاتی ہے تو حصول اسباب کی مساعی میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور بصیرت کی آنکھ جگمگا اٹھتی ہے اور دل میں نور ایمان **ومن یتوکل علی اللہ** (اور جو کوئی توکل کرے اوپر اللہ کے) پیدا ہو جاتا ہے اور سالک مقام

توکل کے قابل ہو جاتا ہے لہٰذا توکل کا ذکر ''زہد'' کے بعد کیا گیا ہے۔

توکل کے معنی اپنی عاجزی کا اعتراف اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا ہے۔ اور جس زمانے میں کہ وہ اسباب کہ جن کی طرف حصول مقاصد کے لیے انسان مائل ہوتا ہے ناپید ہوں تو پریشان نہ ہونا چاہیے۔

توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر اعتماد اور اپنی مہمات اس کے سپرد کر دینے کے باوجود تھوڑا سا رزق بھی اپنے لیے حاصل کر لے تاکہ اس کا نفس کسی کام میں مصروف رہے۔ اگر وہ نفس کو مصروف نہ رکھے تو لازماً نفس اس کو ایسی چیز کی طرف مائل کر دے گا جو کہ مناسب نہیں ہوگی۔ کیونکہ نفس کی یہ عادت ہے کہ اگر اس کو مصروف نہ رکھا جائے تو پھر وہ آدمی کو مصروف رکھتا ہے۔ اور اس طلب رزق میں دوسروں کے فائدے کا بھی خیال رکھے۔

توکل کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ طلب کرنا مطلقاً چھوڑ دے اور اسباب سے آنکھیں بند کر لے اور صرف مسبب الاسباب پر نظر جمائے رکھے۔ یہ عمل کبھی مرتبہ توکل کی تصحیح کے لیے کیا جاتا ہے اور کبھی اس طریقے کے لوازمات کی حفاظت کے لیے۔ مثلاً مراقبہ، حضور اور اعمال حسنہ سے اپنے اوقات کی تعمیر کرنا۔ یعنی اپنے اوقات کو بہترین طریقے سے بسر کرنا۔ اور چونکہ ترک طلب کا مقصود ہی یہ امور ہوتے ہیں اس لیے ترک طلب عقیدہ جبر کا نتیجہ نہیں ہے۔ یعنی ترک طلب سے مراد جبری عقیدہ رکھنا نہیں ہے۔

شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ وکالت کے لیے موکل فیہ یعنی وکیل کا ہونا ضروری ہے اور موکل فیہ کو چاہیے کہ وہ موکل کا ہو کر رہے۔ پس اگر بندہ خدا تعالیٰ کو اپنا وکیل بناتا ہے تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے ساری کائنات تیرے لیے پیدا کی ہے اور تجھے اپنے لیے پیدا کیا ہے اور چونکہ بندہ کو امور کی مصلحتوں کا علم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان مصلحتوں کا اچھی طرح علم

ہے اور مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ خاص طور پر جبکہ اسے حکم دیا گیا ہے۔

لا الہ الا ھو فاتخذہ وکیلا ٥ (نہیں کوئی معبود مگر وہ پس پکڑ اسی کارساز کو) اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نمائندہ اور خلیفہ بنایا ہے اس بنا پر یہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اس نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے۔ اپنی عبادت اور تقدس کے لیے پیدا کیا ہے اور اپنے اور مخلوق کے درمیان ایک پردہ لٹکا دیا ہے اور چونکہ ہمیں اپنی صورت کے مطابق پیدا کیا تھا اس لیے خلیفہ بنا دیا ہے۔ خلیفہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے آقا کی شکل کے مطابق ہو اور بعض تصرفات اس (ذات باری) نے ہمیں رحمت فرما دیئے اور حد کا تعین کر دیا تا کہ ہم اس سے تجاوز نہ کریں اور اگر ہم اس سے تجاوز کریں تو اپنے نفس پر ظلم ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے۔

من یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ (سورہ نمبر ۶۵ (الطلاق) آیت نمبر ۱)

(اور جو کوئی نکل جاوے حدوں اللہ کی سے پس تحقیق ظلم کیا اس نے اوپر اپنی جان کے)

دوسرے یہ بھی فرمایا کہ عارفوں کے نزدیک توکل کے درجات ۴۸۷ ہیں اور ملامتیہ فرقے کے نزدیک ۴۵۶ درجے ہیں۔ توکل کے پہلے درجے میں چار کرامتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ زمین کو طے کرنا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا اور کائنات سے اپنی خوارک حاصل کرنا یعنی ہر موجود سے اپنی پسندیدہ خوراک حاصل کر سکتا ہے۔

الاصل الرابع فی القناعت

ترجمہ: دس اصولوں میں سے چوتھا اصول قناعت ہے اور قناعت اسے کہتے ہیں کہ انسان نفسانی خواہشات، حیوانی لذات اور تمتعات سے کنارہ کشی کرے جس طرح کہ موت کے وقت ان چیزوں سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ ہاں البتہ وہ اشیاء جو ایک حد تک ناگزیر ہیں ان سے کنارہ کشی لازمی نہیں۔ پس چاہیے کہ کھانے میں، پہننے میں اور سکونت کے سلسلے میں حد ضرورت سے تجاوز نہ کرے۔

قناعت کا ذکر توکل کے بعد کیا گیا ہے۔ کیونکہ قناعت، توکل کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اکابر بزرگ صوفیہ نے قناعت کی یوں تفسیر بیان کی ہے کہ موجود چیز پر اکتفا کیا جائے۔ اور شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ قناعت نام ہے اس کا کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ سے سوال اور طلب کرے نہ کسی غیر سے۔ اور کہا کہ اکابر کی موجود پر ہی اکتفا کرنے سے مراد یہ ہے کہ سوال اور طلب میں حق سبحانہ پر ہی اکتفا کیا جائے اور شیخ بزرگوار کا یہ قول ہے کہ بقدر ضرورت (جو چیز موجود ہے) اسی پر اکتفا کرنا قناعت ہے۔ یہی حقیقی قناعت ہے۔

والصبح إذا تنفس
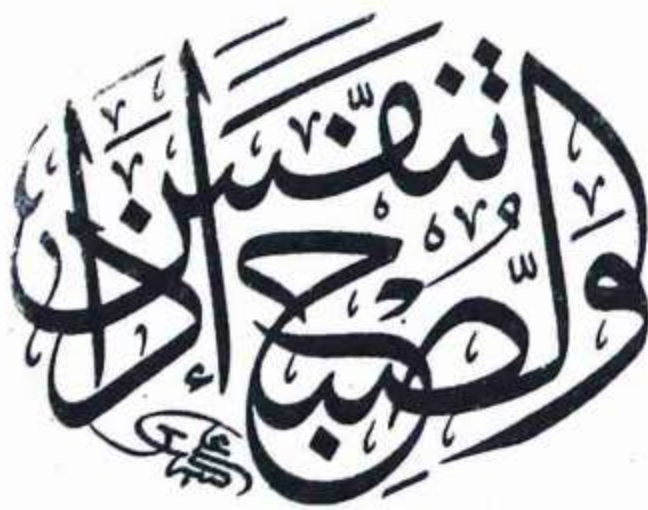
الاصل الخامس فی العزلة

ترجمہ: دس اصولوں میں سے پانچواں اصول عزلت ہے اور عزلت (گوشہ نشینی) یہ ہے کہ لوگوں سے اپنی مرضی سے ترک تعلقات اور علیحدگی اختیار کی جائے۔ جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اپنے پیر کی خدمت میں رہے جو خدا رسیدہ ہو اور اس کا مربی ہو۔ ایسے شیخ کی مثال مردہ نہلانے والے (غسال) کی سی ہے۔ پس مناسب یہی ہے کہ وہ شخص اپنے شیخ کے پاس اس طرح ہو جیسے کہ مردہ غسال کے پاس ہوتا ہے تا کہ وہ جیسا چاہے اس میں تصرف کرے اور اس تصرف کا مقصد یہ ہے کہ شیخ اس کی بیگانگی (غیر اللہ ہونے کی) کی آلودگی اور فنا پذیر ہونے کی ناپاکی کو ولایت کے پانی سے دھو ڈالے یعنی روح اور نفس کے ملنے سے جو آلودگی پیدا ہوتی ہے اور جو شہود دائمی میں رکاوٹ کا سبب بنی ہے (اسے مٹا دے) اور شہود دائمی سے مراد ''صلاۃ دائمی'' ہے۔

عزلت کی حقیقت یہ ہے کہ حواس کو خلوت نشینی کے ذریعے محسوسات میں تصرف کرنے سے روکے رکھے (یعنی لذات دنیوی سے حواس یعنی نفس کو خوش نہ کرے) کیونکہ وہ بلائیں اور فتنے جن میں روح مبتلا ہو جاتی ہے اور نفسانیت کو

تقویت ملتی ہے اور جن سے نفس کی صفات کو تربیت حاصل ہوتی ہے۔ حواس کے روشندان ہی سے داخل ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے نفس روح کو اپنا مطیع بنا لیتا ہے اور نفسانیت کے پست ترین درجے میں اسے لے جاتا ہے وہاں اسے قید کر دیتا ہے اور اس پر غلبہ پالیتا ہے۔ چنانچہ حواس کی گوشہ نشینی اور خلوت گزینی کی وجہ سے دنیا اور شیطان کی امداد نفس تک نہیں پہنچ سکتی اور حواس کی خلوت نشینی (گوشہ نشینی) کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح کہ طبیب مریض کے علاج میں ان چیزوں سے جو مضر ہیں اور مرض کی زیادتی کا باعث ہیں پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اس پرہیز کی وجہ سے مواد فاسدہ کی امداد ختم ہو جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پرہیز ہر دوا کا راز ہے اور پرہیز کے بعد طبیب کسی مسہل سے علاج کرتا ہے اور مواد فاسدہ کو خارج کر دیتا ہے اور طبعی قوتیں اور حرارت غریزی جو مواد فاسدہ کے نیچے دبی ہوئی تھیں قوت حاصل کرتی اور مشتعل ہو جاتی ہے تاکہ مرض زائل ہو جائے اور صحت لوٹ آئے اور روحانی بیماری کے لیے وہ مسہل جو روح سے فاسد مادوں کو نکالتا ہے وہ پرہیز کے بعد آتا ہے اور ان فاسد مادوں کی تنقیہ ذکر دوام سے کی جاتی ہے۔

اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قناعت کے بعد عزلت نصیب ہوتی ہے اس لیے اس کا ذکر قناعت کے بعد کیا گیا ہے۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ انسان کا لطیف ادارک بالطبع جناب الٰہی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس کی صحت مزاج بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہونے اور اخلاق الٰہی اپنانے کی متقاضی ہوتی ہے لیکن بدن سے تعلق کی وجہ سے نیز اس وجہ سے کہ حواس کے روشندان کھلے ہوئے ہیں۔ اس میں کچھ صورتیں پیدا ہوگئی ہیں جن سے وہ چمٹ گیا ہے۔ اور اس میں ایسا انحراف پیدا ہوگیا ہے کہ موجودات کے اعلیٰ درجے سے وہ محسوسات کے پست ترین مقام

پر گر گیا ہے اور اس کا مطیع ومنقاد ہو گیا ہے اور اس حکم ربانی کے مطابق:

افـریت من اتخذ الهه هوهه (کیا پس دیکھا تو نے اس شخص کو پکڑا ہے اس نے معبود اپنا خواہش اپنی کو)

نفس نے اپنی پسندیدہ اشیاء اور خواہشات کو جناب باری کی بجائے اپنا خدا اور معبود بنا لیا ہے اور اس ارشاد الٰہی کے مطابق:

امامن طغی وااثر الحیواة الدنیا فان الجحیم هی الماویٰ [1]

(جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے)

وہ اعلیٰ موجودات سے دوری کے جہنم میں گر گیا ہے۔

پس اس شخص کے تمام زندہ حواس یعنی محسوس کرنے والے حواس دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروزاہ بن جاتے ہیں اور ان دروازوں سے جدائی کے دوزخ میں گر گیا ہے اور چونکہ اس کی تعداد سات ہے جو درج ذیل ہیں۔

1- باصرہ 2- سامعہ 3- شامہ 4- ذایقہ

5- لامسہ 6- واہمہ 7- خیال

اور انسان کی روح ان حواس کے تابع ہو چکی ہے اور اس نے ان کا رنگ اپنا لیا ہے۔ اس لیے دوزخ آفاقی کے دروازے بھی اس قرآنی آیت **لهـا سبـعة ابـواب** (واسطے اس کے سات دروازے ہیں) کے مطابق سات ہی دروازے ہیں چونکہ آفاق یعنی کائنات نفس کے تابع ہے اور نفس کی دوزخ کے دروازے سات ہیں جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔

شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ عزلت کی دو اقسام ہیں۔

---

(۱) قرآن پاک کی سورۃ ۷۹ نازعات کی آیت نمبر ۳۷ ''فاما'' سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن اصل پنجم میں ''اما'' سے شروع کی گئی ہے۔

(مترجم اردو الاصول العشرہ محمد غضنفر علی وڑائچ)

گوشہ نشینی کی پہلی قسم یہ ہے کہ اہل ارادت اپنی صورتوں اور جسم کو غیر اللہ کی صحبت سے علیحدہ کر لیتے ہیں۔

گوشہ نشینی کی دوسری قسم محققین کی گوشہ نشینی ہے کہ وہ اپنے دل غیر حق سے علیحدہ کر لیتے ہیں۔

اور گوشہ نشینوں کی گوشہ نشینی کی تین نیتیں ہیں۔

اول: لوگوں کے شر سے بچنا۔

دوم: لوگوں کو اپنے شر سے بچانا اور یہ قسم پہلی قسم کی نسبت بہتر ہے کیونکہ پہلے سے مراد لوگوں کے متعلق بدگمانی ہے اور دوسرے سے مراد اپنے نفس کے بارے میں بدگمانی ہے اور اپنی ذات پر بدگمانی کا درجہ بلند تر ہے کیونکہ ہر شخص اپنے نفس کو اچھی طرح جانتا ہے۔

سوم: لوگوں کی صحبت سے اپنے مولا کی صحبت کو ترجیح دینا اور جو شخص مولا کو غیر پر ترجیح دے وحدانیت اور احدیت کا راز اس پر آشکار ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزائن سے اس پر اس قدر نوازشات کی بارش ہوتی ہے کہ اس کی حقیقت تک انسان کی رسائی نہیں ہوسکتی اور گوشہ نشینی زبان کو خاموش رکھنے کا سبب ہے اور گوشہ نشین اس وعید کے خوف سے محفوظ ہے۔

وھل یکب الناس علی وجوھھم او علی مناخر ھم

اور جب تک گوشہ نشین کو یقین کامل حاصل نہ ہو جائے وہ گوشہ نشینی کے ذریعے اس وقت تک تقویت حاصل کرتا رہے جب تک اس کا یقین کامل نہ ہو جائے اور یہ بات واضح رہے کہ اس رسالے میں جس گوشہ نشینی کا ذکر ہے وہ محققین کی گوشہ نشینی ہے جس سے دروزاہ کھلتا ہے۔

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ دنیا میں اور ہمارے نفس کے اندر جو فتنہ یا بلا پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ ہمارے حواس کے روشندان ہیں۔ اس لیے اس کا علاج

ضروری ہے اور اس کا طریقہ بھی بتا دیا کہ پہلے گوشہ نشینی اختیار کرو پھر اللہ کا ذکر کرو اور جب ذکر روح کی مداومت سے جو دس اصولوں میں سے ایک ہے۔ انسانی روح حواس کی اطاعت سے باہر آ جائے تو اسے عالم ملکوت کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اور حواس روح کے تابع اور مطیع ہو جاتے ہیں اور خدا کے پیغمبر کی ہدایت کے مطابق کائنات کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ (آٹھوں) حواس نفس کی بہشت کے دروازے بن جاتے ہیں اور اسی لیے بہشت آفاقی کے دروازے بھی آٹھ ہیں۔

(۱) اصل پنجم میں سورہ الحجر کی آیت نمبر ۴۴ ولھا سبعة ابواب لکھی ہے جب کہ قرآن پاک میں مذکورہ آیت لھا سبعة ابواب ہے وہاں "و" نہیں ہے۔ یہ زائد ہے۔

(مترجم اردو الاصول العشرہ محمد غضنفر علی وڑائچ)
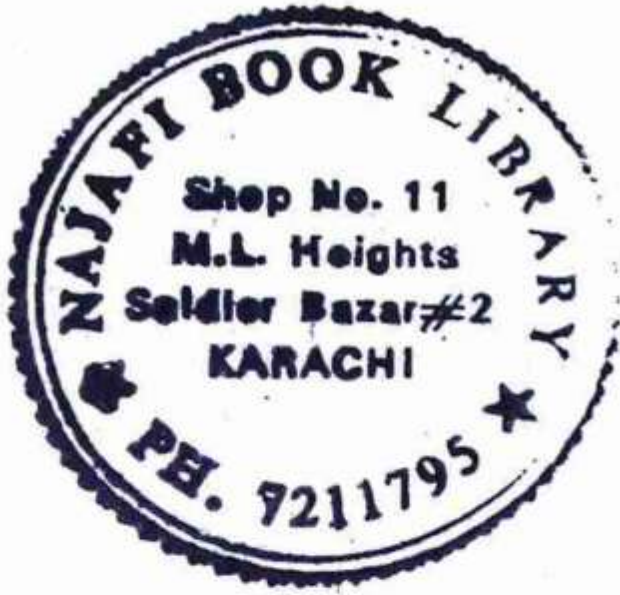
الاصل السادس فی مداومة الذکر

دس اُصولوں میں سے چھٹا اصول مداومت ذکر ہے اور حقیقت ذکر غیر اللہ کی یاد ترک کرنا ہے۔ اس طریقے سے کہ جو کچھ غیر اللہ ہے وہ فراموش ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے اس ذکر کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب تو غیر اللہ کو فراموش کردے تو اپنے پروردگار کو یاد کر جس طرح کہ طبعی موت سے انسان صرف اسی کی طرف لوٹتا ہے۔

اور کلمہ لاالٰہ الا اللہ کی مثال بھی ایک مسہل کی طرح ہے جو کہ ایسی معجون ہے جو نفی اثبات سے مرکب ہے کیونکہ نفی سے ان موادفاسدہ کا ازالہ ہو جاتا ہے کہ جس سے دل بیماری، روح کی گرفتاری، نفس کی تقویت اور نفس کی صفات کی تربیت کا موقع پیدا ہوتا ہے اور نفس کی صفات در حقیقت نفس کے برے اخلاق ہیں اور اوصاف شہوانی اور حیوانی اور کونین سے وابستگی (یعنی غیب و شہادت یا دنیا و آخرت یا علم وعین) یہ نفس کے صفات اور بوجہ اس اثبات کے جو کہ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ہے اس سے دل کی صحت حاصل ہوتی ہے اور ان بری عادتوں سے تحفظ ملتا ہے۔ جو مزاج اصلی سے انحراف کرنے سے پیدا ہوا اور دل تمام غلط باتوں سے بچ جاتا ہے۔ اس نور کی وجہ سے جو اس میں داخل ہوتا ہے اور دل کو نور الٰہی سے زندگی حاصل ہوتی ہے۔

اور جب یہ حالت پیدا ہوگی تو روح شواہد حق اور باری تعالٰی کی ذاتی و صفاتی تجلیات سے منور ہو جائے گی اور نفس کی زمین اللہ کے نور کے ظہور سے چمک جائے گی۔ اور صفات نفس کا اندھیرا کافور ہو جائے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات

وبرزوا اللہ الواحد القہار (ابراہیم ۱۴ آیت ۴۸)

اس دن کہ بدلی جاوے گی زمین سوائے اس زمین

کے اور بدلے جاویں گے آسمان اور روبرو ہوں گے سب

لوگ واسطے اللہ اکیلے غالب کے

یعنی نفس کی زمین اور روح کا آسمان بدل جائیں گے اور اس خدائے یکتا کے سامنے یہ پیش ہوں گے کہ جس نے اپنی صفت قہاریہ سے اپنے سوا سب چیزوں کو فنا کر دیا ہے۔ اسی ارشاد ربانی کے مطابق:

فاذکرونی اذکرکم (البقرہ ۲، آیت ۱۵۲)

(پس یاد کرو تم مجھ کو یاد کروں گا میں تم کو)

ذاکر مذکور بن جائے گا اور مذکور ذاکر بن جائے گا۔ پس ذاکر ذکر الٰہی میں فنا ہو جائے گا اور مذکور ذاکر کا خلیفہ بن کر اس کی جگہ بیٹھ جائے گا پس جب تم ذاکر کو طلب کرو گے تو مذکور کو پاؤ گے اور جب مذکور کو طلب کرو گے تو ذاکر کو پاؤ گے۔ پس ایسا آدمی زبان حال سے یہ کہے گا کہ جب تو مجھے دیکھے گا تو اسے دیکھے گا اور جب تو اسے دیکھے گا تو نے مجھے دیکھا ہوگا۔

اصل پنجم کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مواد فاسدہ وہ چیزیں ہیں جو حواس کے ذریعے داخل ہوتی ہے اور دل ان میں گرفتار ہو جاتا ہے اور تمام بری صفات اسی ذریعے سے پیدا ہوتی ہیں۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ دل جس چیز کا پیچھا کرتا ہے۔ حقیقتاً

وہ چیز اس کی خدا ہوتی ہے اور مختلف آدمیوں کے لیے یہ خدا مختلف ہوتا ہے مثلاً کچھ لوگ جمادات کے طالب ہوتے ہیں۔ جیسے سونا، چاندی، کتاب ساز و سامان دنیا، بعض لوگ نباتات اور بعض لوگ حیوانات کے طالب ہوتے ہیں اور بعض لوگوں میں درندوں اور چوپایوں کی عادات پائی جاتی ہیں مثلا اگر کسی شخص پر غصہ غالب آ جائے تو ایسے شخص کو کتے کا مسخر کہیں گے کہ اس نے اسے اپنا خدا بنالیا ہے اور اس کا مطیع ہو گیا ہے۔ اگر تکبر اس پر غلبہ پالے گا تو ایسے آدمی کو چیتے کا مسخر کہیں گے اور اگر شہوت اس پر غالب آ جائے تو اسے گدھے کا مسخر کہیں گے وغیرہ وغیرہ۔

پس خدا کی طرف جانے والے کو غور کرنا چاہیئے کہ وہ ان خداؤں میں سے کس کے ہاتھوں میں گرفتار ہے تا کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرے اور مواد فاسدہ کو دور کرنے کے چند طریقے ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ انسانی روح کو ذاتی طور پر جذب الٰہی سے مناسبت ہو اور یہ بہت کم ہوتا ہے اور جذب الٰہی ایسے طریقے سے غالب ہو کہ اسے یہ بات معلوم ہو جائے اور حق تعالیٰ اس پر ایسے طریقے سے واضح ہو جائے کہ یہ شخص اس خوبی کو دیوانہ ہو جائے اور اس تعلق سے اپنے آپ کو وابستہ کرے اور غیر کے تعلق سے اپنے آپ کو منقطع کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی طبیب بغیر مسہل اور بغیر علاج کے مواد فاسدہ کو ختم کر دے۔ یہ جذب الٰہی کبھی بغیر انسانی وساطت کے ہوتا ہے اور کبھی ایسے انسان کی وساطت سے ہوتا ہے جو خود صاحب جذبہ ہو۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت شیخ بزرگوار قدس سرہ جب خلوت سے باہر آتے تھے تو جس شخص پر اول ان کی نظر پڑتی اسے یہ دولت میسر ہو جاتی تھی۔

دوسری قسم یہ ہے کہ کسی مسہل اور تنقید کی ضرورت پڑے۔ اس کے تعین

کے بارے میں مشائخ میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے اسمائے الہٰی کی تعین کی ہے اور طالب کو اللہ کے ناموں میں سے ایک نام کے ذکر میں مشغول کر دیتے ہیں جو اس کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ اس مناسبت کو وہ اس طرح پرکھتے ہیں کہ اسمائے الہٰی اس کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اپنی فراست سے یہ معلوم کرتے ہیں کہ وہ کس نام سے متاثر ہوا ہے چنانچہ اس نام کے ذکر پر لگا دیتے ہیں۔

بعض لوگوں نے اللہ کے مبارک نام کو اختیار کیا ہے۔ اس کی پسندیدگی کی ایک وجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کے ختم ہونے کا ہر آن احتمال ہے اور سالک کو چاہیئے کہ اپنی قصر امل کو اس پر تعمیر کرے اور اسے اپنی زندگی کا آخری سانس شمار کرے۔

یہ بات واضح رہے کہ آخری سانس میں اللہ کا مبارک نام لینا چاہیے کہ یہ اسم ذات ہے اور ذات باری کا تصور یوں کرتے ہیں مثلاً وہ ذات جو کہ تمام معتقدات کا مجموعہ ہے تا کہ اس ذات برحق کے تمام معتقدات کی طرف توجہ بطریق اجمال ہو کیونکہ وہی خود بھی ظاہر ہے اور تمام کائنات اس سے ظاہر ہے۔

شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ذات باری پر اس طریقے سے غور کرے کہ وہ ایک ایسا وجود ہے کہ جسے کائنات کی کوئی چیز محدود نہیں کر سکتی۔

اکثریت مشائخ لاالہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ بہترین ذکر ہے۔

دیگر یہ کہ ذاکر کا مقصود دو چیزیں ہوتی ہیں۔ مواد فاسدہ کا خاتمہ اور صحت کا حصول۔ یہ کلمہ نفی کے اعتبار سے مواد فاسدہ کو ختم کرتا ہے اور اثبات کے اعتبار سے صحت روحانی عطا کرتا ہے چنانچہ اس باب میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ

واذکر ربک اذا نسیت

اور یاد کرو پروردگار اپنے کو جب بھول جاوے

کی تشریح یوں کی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے بھول کے وقت اپنے ذکر کا حکم دیا ہے پس اگر ماسوی اللہ بھول جائے تو صرف اللہ کا ذکر کرے اور اگر حق کو بھول جائے تو لا الہ الا اللہ کا ذکر کرے اور طالب کو چاہیے کہ کلمہ طیبہ کے مضمون پر پورا اعتقاد رکھے کیونکہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو بھی معبودیت اور انقیاد کا حق حاصل نہیں ہے اور اللہ کے ذکر کی وجہ یا سبب صرف بندے کی فرمانبرداری ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے" کہ مجھے یاد کرو" اور اس کی وجہ کوئی دنیوی یا اخروی مرتبہ نہیں ہے اور نہ حضور واطمینان ہے اور پورے انکسار سے جھوٹے خداؤں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرے۔

اور اس طریقے پر مداومت اختیار کرے۔ نیند کے غلبے سے ذکر کا عمل منقطع نہیں ہوتا۔ یعنی نیند کا غلبہ دوام ذکر کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ سونے والے کا ذکر ہے ہر چند کہ نیند میں عمل ذکر نہیں ہوتا۔ چنانچہ شیخ محی الدین قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ نیند کی حالت میں دل کا عمل منقطع نہیں ہوتا اور نیند کی حالت میں اس کا مقصد بیداری کی حالت پر غور وحوض کرنا ہوتا ہے۔ جب طالب اس طریقے پر مداومت اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی صفت قہاری سے تمام جھوٹے خداؤں کو اس طریقے سے فنا کر دیتا ہے کہ تمام مانوس چیزیں اسے بھول جاتی ہیں تاکہ طالب کی نظر شہود سے ہٹ جائے اور جھوٹے خداؤں کا تصرف ختم ہو جائے۔ بحسب ارشاد ربانی یہ صورت پیدا ہو جائے۔

کل شیء ھالک الا وجھہ (القصص ۲۸، آیت ۸۸)

ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے مگر ذات اس کی

اور خدائے مطلق ومعبود برحق اپنی صفت یکتائی کے ساتھ ظہور فرماتا ہے

اور طائب کی نظر میں اس کے بغیر کسی اور کا شہود نہ ہو۔ پس ندائے "لمن الملک" (واسطے کس کے ہے پادشاہی) دی جاتی ہے اور جب کوئی اور عالم شہود میں نہیں ہوتا تو پھر خود ہی اس کا جواب دیتا ہے۔

الله الواحد القهار (واسطے اللہ اکیلے غالب کے) (المومن ۴۰، ۱۶)

اور اس حال میں ذاکر حقیقت میں جو کہ شہود حق مطلق ہے۔ فانی ہو جاتا ہے۔ بلکہ مذکور میں فنا ہو جاتا ہے جو کہ خود عکس سبحانہ تعالیٰ ہے اور جب ذاکر مذکور کے اندر فنا ہو جائے اور نظر میں صرف ایک ہی کا شہود ہو تو شہود کا دارومدار مذکور پر ہوگا اور مذکور اپنا ذاکر بن جائے گا۔ یعنی ذاکر کا ذاکر اور پھر یہ وعدہ پورا ہو جاتا ہے:

فاذكروني اذكركم

(پس یاد کرو تم مجھ کو یاد کروں گا میں تم کو)

یعنی تم اگر مجھے یاد کرو گے تو تمہاری اس یاد کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ میں تمہارے مظہر (وجود) میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور اس آیت

فاذكروني اذكركم (پس یاد کرو تم مجھ کو یاد کروں گا میں تم کو) کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔

اول یہ کہ اگر تم مجھے یاد کرو گے تو میں تمہیں یاد کروں گا۔ میں تمہارے ذکر سے بلند تر ذکر سے تمہیں یاد کروں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کئی مراتب ہیں۔ اول مرتبہ ہے نطق ظاہری کا جس میں الفاظ اور عبارت ہوتی ہے اور اس کے بھی دو درجے ہیں۔ بولنا اور سوچنا۔

دوسرا درجہ مرتبہ نطق باطنی کا ہے کہ جس کا مطلب ادراک ہے اور ادراک کے کئی درجے ہیں۔ پہلا درجہ ادراک ایمانی تصدیقی ہے اور یہ گویا ذکر کی صورت ہے۔

دوسرا درجہ ادراک تصویری وجدانی کا ہے جو جھوٹے خداؤں کے فنا

ہونے کے بعد پیدا ہوتا ہے اور اس کے بھی کئی مرتبے ہیں۔

خداوند حقیقی سے قرب کے درجوں کے مطابق مالوفات اور مانوسات کے درجے ہیں کیونکہ جس قدر مالوفات سے بیگانگی ہوگی تو بساطت اتنی ہی زیادہ ہوگی اور حق سبحانہ تعالیٰ جو بسیط حقیقی ہے اس سے اتنی ہی قربت زیادہ ہوگی اور جس قدر اللہ تعالیٰ سے قربت زیادہ ہوگی اس کا عرفان اتنا ہی زیادہ وسیع اور صحیح ہوگا۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم مجھے قولاً یا فعلاً یاد کرو۔ اگر تم قولاً یا فعلاً یاد کرو گے تو میں تمہیں ایسے عطیے سے یاد کروں گا جو کہ اس کے مناسب ہوگا۔

ذکر خداوندی کے بیان کو ہم ایک اور طریقے سے بھی ادا کر سکتے ہیں مثلاً ذکر خداوندی سے مراد روح کے پرندے کو اپنے جذب سے بلانا ہے۔ جیسے ایک شکاری ایک بھوکے جانور کو خوراک دکھا کر بلاتا ہے جو ذکر اس خوبی سے خالی ہوگا اس کو کوئی اعتبار نہیں اور وہ مقبولیت کے زیور سے معرا ہوگا۔

شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ذکر کے وقت اللہ کے ذکر کو نہیں سن پاتا اس کا ذکر (درحقیقت) ذکر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم مجھے یاد کرو گے تو میں تمہیں یاد کروں گا اور اللہ کی یاد کے لیے سننا لازمی ہے اور ظاہراً استماع ذکر حق کا مطلب دعوت حق جذبے کے طریقے سے حاصل کرنا ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com/

الاصل السابع فی التوجہ الی اللہ تعالیٰ

اصول عشرہ میں ساتواں اصول توجہ الیٰ اللہ کے بارے میں ہے۔

دس اصولوں میں ساتواں اصول جناب باری کی طرف اپنے سارے وجود (یعنی ذات) سے توجہ کرنا ہے اور توجہ بہ خدا کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر چیز سے جو خدا کے بغیر اسے اپنی طرف بلائے وہ اس سے پوری طرح اپنی ذات علیحدہ کر دے جس طرح آدمی موت سے دنیا کی چیزوں سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ پس چاہیے کہ باری تعالیٰ کے بغیر اس کا مطلب مقصود اور مقصد باقی نہ رہے۔

اور اگر اس کے سامنے تمام مرسل اور غیر مرسل پیغمبروں کے درجات پیش کیے جائیں تو ان کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ یہ حق تعالیٰ سے روگردانی کا باعث بنتا ہے۔ ہر چند کہ وہ ایک آنکھ جھپکنے کی دیر ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ اگر ایک صدیق ایک ہزار سال تک متوجہ الیٰ اللہ رہے پس اگر وہ ایک لمحے کے لیے بھی غافل ہو تو اس تھوڑے سے وقت میں اسے جو روحانی نقصان پہنچے گا وہ اس روحانی منفعت سے کہیں زیادہ ہوگا جو اس نے ایک ہزار سال میں حاصل کیا ہوگا۔

توجہ اس وقت ٹھیک ثابت ہوتی ہے جب آدمی اپنے آپ سے علیحدہ ہو جائے اور یہ ذکر کا نتیجہ ہے۔ اسی لیے ہم نے ذکر کے بعد اسے (توجہ الیٰ اللہ) بیان کیا ہے اور توجہ سے مراد جناب باری تعالیٰ کو اپنا مقصود بنانا ہے اور اس وجہ کے بارے میں جو کہ توجہ کا سبب بن سکتی ہے۔ صوفیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ توجہ اس طریقے سے وہ توجہ بن سکتی ہے جو ذکر الٰہی کی وجہ سے پیدا ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ توجہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو عدم محض سمجھے اور اللہ تعالیٰ کو وجود مطلق جانے اور اسے یقین ہو کہ اس کا اضافی وجود آفتاب الٰہی کے نور کا ایک پرتو ہے۔ پس اس کی بصیرت کی ایک نظر اپنے عدم اور وجود کی نفی پر ہو اور ادراک کی دوسری نظر اللہ تعالیٰ کی ازلی ابدی وجود کے اثبات پر ہو۔ پس توجہ میں نفی و اثبات دونوں ہیں جو کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا مضمون ہے اور اگر تو یہ کلمہ ہزار دفعہ کہے اور یہ مذکور صفت تیرے اندر پیدا نہ ہو تو اس کلمے کو نہ پڑھا سمجھ۔

شیخ صدر الدین قونویؒ فرماتے ہیں کہ توجہ کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے قوای ظاہری و باطنی کو مختلف تصرفات سے معطل کر دے اور دل کو ہر علم اور اعتقاد سے خالی کر دے بلکہ ان تمام چیزوں سے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے طریقے سے توجہ کرے جیسا کہ حقیقتاً وہ ہے۔ ایک ایسی توجہ جو بالکل مجمل اور ہیولانی ہو جو تمام اعتقادات سے پاک ہو اور تمام اعتقادات اس میں پائے جائیں اور اکثر اوقات میں تم اس پر قائم رہو۔

بعض کہتے ہیں کہ توجہ سے مراد مراقبہ ہے اور مکمل وجود کے ساتھ متوجہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے وجدان میں توجہ پیدا ہو جائے یعنی یہ کہ توجہ کو متفرق نہ کرے اور اگر انبیاء کے مدارج یا درجے اس کے سامنے پیش کیے جائیں تو ان کی طرف متوجہ نہ ہو۔

شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صوفی کے سامنے کوئی چیز پیش کی

جائے اور اسے حکم دیا جائے کہ لے لو تو از روئے ادب وہ لے لے لیکن وہاں توقف نہ کرے بلکہ ادب کے ساتھ اس سے آگے نکل جائے لیکن اگر اسے اختیار دیا جائے تو پھر نہ لینا بہتر ہے۔ نہ لینے کی چند وجوہات بیان کی جاسکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ علو ہمت اسکا ایمان ہے اور علو ہمت کا تعلق انسان کی بلندی سے ہے اور ذات کا مرتبہ تمام باقی مراتب سے اونچا ہے۔ خواہ وہ اسماء و صفات باری کا مقام ہی کیوں نہ ہو۔ دوسری یہ کہ ہوسکتا ہے کہ اس کا امتحان لیا جارہا ہو۔ اگر چیز کی طرف توجہ دے اس کے ایمان کے ضائع ہونے کا احتمال ہے۔

علاوہ ازیں جو کچھ سید الطائفہ (حضرت جنید بغدادیؒ) کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے اور اسے اس باب میں اشارتاً بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک صدیق ہزار سال تک خداتعالیٰ کی طرف توجہ کئے رکھے اور آنکھ جھپکنے کی دیر کے لیے کسی اور چیز کی طرف توجہ کرے تو اس ایک لمحے کے اندر جو اسے روحانی نقصان پہنچے گا وہ اس روحانی نفع سے بہت زیادہ ہوگا جو اس نے ہزار سال میں کمایا ہے۔ ان (سید الطائفہ) کے اس مقولے کی تشریح یہ بیان کی گئی ہے ہر اقبال یعنی توجہ الی اللہ میں سالک کا مرتبہ پہلے تمام مراتب کے مقابلے میں ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ پس اگر اعراض کے زمانے میں اقبال یعنی توجہ الی اللہ کرتا تو اس توجہ سے اسے تمام سابقہ مراتب سے بلند مرتبہ عطا ہوتا۔

بعض اکابر نے اس کو تجارت سے تشبیہہ دی ہے مثلاً ایک تاجر کے پاس ایک سو دینار ہے اور وہ اپنا سارا سرمایا تجارت میں لگا دیتا ہے اور اس پر اسے نفع حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس مجموعے کو پھر تجارت میں لگا دیتا ہے تو اس مجموعے پر اور نفع اسے حاصل ہوتا ہے۔ اس بنا پر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو نفع اسے دوسری مرتبہ حاصل ہوا ہے وہ اس نفع سے زیادہ ہوگا جو اسے پہلی دفعہ حاصل ہوا تھا۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے امت کو حکم دیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

متابعت کرے۔ قول فعل اور حال میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال یہ ہے۔ (سورۃ النجم آیت ۱۷)

مازاغ البصرو ماطغیٰ (نہیں کمی کی نظر نے اور نہ زیادہ بڑھ گئی)

حضرت مخدوم (شیخ نجم الدین کبریٰ) قدس سرہ نے اس قول من طلب البر من البار فھو مشرک بالبار کی تشریح میں لکھا ہے کہ عشق دوئی کو برداشت نہیں کرسکتا اور اس کا مقصود ہمیشہ معشوق کی ذات ہوتی ہے اور بس۔ اور اس میں اس کے صفات افعال اور آثار کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اگر کبھی عاشق اتفاقاً طبیعت کے تقاضے سے مجبوراً ان اوصاف میں سے کسی ایک کے ساتھ تعلق پیدا کر لے تو صفت معشوقی میں سے ذات کا شریک بنالے تو غیرت معشوقی اسے سرزنش کرے گی اور اس کے شرک کی گونج تمام دنیا اور دنیا والوں کے کانوں تک پہنچ جائے گی۔

ہر چند بود نگار من مہر آئین وز عادت اُودوربود شیوہ کین
در عشق شریک خود نخواہد کس را لا یغفران یشرک بہ انیست این

ہر چند کہ میرا محبوب بڑا مہربان ہے اور شیوہ کین اور کینہ توزی اس کی عادت سے دور ہے۔ وہ کسی کو اپنے عشق میں شریک نہیں بناتا اور اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے ساتھ شریک کو پسند نہیں کرتا۔

الاصل الثامن فی الصبر

دس اصولوں میں آٹھواں اصول صبر ہے اور صبر اسے کہتے ہیں کہ انسان اپنی کوشش اور محنت و ریاضت سے لذات نفس کو اپنی مرضی سے چھوڑ دے جس طرح کہ طبعی موت کے وقت ہوتا ہے اور نفس نے جن چیزوں سے الفت پیدا کرلی ہے اور انہیں پسند کرتا ہے ان سے بچنے پر ثابت قدم رہے اور اس سے روگردانی نہ کرے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ دل نفس کی کدورتوں سے صاف ہو جائے اور روح اس زنگ سے جو نفس کے راستے پیدا ہوگیا ہے صفائی حاصل کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لماصبروا وكانو بايتنا يوقنون

(اور کئے ہم نے ان میں سے پیشوا کہ تھے ہدایت کرتے ساتھ حکم ہمارے کے جب صبر کیا انہوں نے اور تھے ساتھ نشانیوں ہماری کے یقین دلاتے۔)

صبر کے عام معنی تو یہ ہیں کہ نفس کو ان خواہشات سے کہ جن سے منع کیا گیا ہے دور رکھے یا وہ باتیں جو نفس کو ناپسند ہیں اور جن کے کرنے کا حکم دیا گیا

ہے ان پر نفس کو آمادہ کرے اور وہ باتیں جو نفس کو پسندیدہ ہیں لیکن ان سے منع کیا گیا ہے ان پر صبر کرنے کی دو قسمیں ہیں ایک فرض، دوم نفل۔

1- نفس کی پسندیدہ چیزوں سے صبر کرنا جو فرض ہے۔ وہ ان چیزوں سے متعلق ہے جو (دین میں) حرام ہیں۔

2- نفس کی پسندیدہ چیزوں سے صبر کرنا جو نفل ہے وہ ان چیزوں کے متعلق ہے جو (دین میں) مکروہ ہیں۔ مثلاً شبہ (بطور مثال۔ ایسی چیزوں کو کھانے سے پرہیز کرنا جن کے بارے میں شبہ ہو کہ یہ حرام ہیں۔ جیسے کوئی شخص تحفتاً کھانے کی چیز بھیجے لیکن اس شخص کی کمائی کے بارے میں شبہ ہو کہ شاید اس کی کمائی حرام ہو) اور قول و فعل میں زیادتی، صبر بر مکروہ یعنی ان چیزوں پر صبر کرنا جو نفس کو ناپسندیدہ ہوں۔ دو قسم کا ہے۔ ایک فرض، دوم نفل۔

صبر بر مکروہ جو فرض ہے وہ ان چیزوں سے متعلق ہے جو اسلام میں فرض ہیں جیسے نماز، زکوٰۃ، حج۔

صبر بر مکروہ جو نفل ہے وہ ان چیزوں سے متعلق ہے جو اسلام میں نوافل کی قسموں سے ہیں جیسے نفل نماز پر صبر کرنا۔ کرامات و احوال پر صبر کرنا۔ گمنامی پر صبر کرنا، فقر پر صبر کرنا اور نیکی چھپانے پر صبر کرنا۔ وہ صبر مصیبت اور بلاؤں پر صبر کرنا ہے اور نعمتوں پر صبر کرنا یہ ہے کہ دولت کو ان چیزوں پر خرچ نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع ہیں اور عافیت پر صبر کرنے اسے ''صبر فی اللہ'' کہتے ہیں۔ صبر روح اور قلب کے مرتبے میں بھی ہوتا ہے۔

مکروہات پر صبر قلب یہ ہے کہ اپنی نیت کو ہمیشہ صاف رکھے اور اخلاص کو نفس کے شبہے سے منزہ کرے۔ اس قسم کے صبر کو ''صبر باللہ'' کہتے ہیں۔ یا ایک صبر مراقبے پر ہمیشہ قائم رہنا ہے اور اس کو ''صبر علی اللہ'' کہتے ہیں۔ یا ایک صبر عالم نفس، پر متوجہ رہنا اور اس کی تدبیر و سیاست میں مشغول ہونا ہے۔ اسے

''صبر للہ'' کہتے ہیں۔

صبر قلب پسندیدہ چیزوں پر یہ ہے کہ ہمیشہ محاضرے و مکاشفے سے ضروری ظاہری اعمال کی مصروفیت پر صبر کرے۔ اسے ''صبر عن اللہ'' کہتے ہیں۔ یعنی لذت محاضرہ و مکاشفہ کو ترک کر کے اعمال ظاہری نماز و روزہ اور عبادت میں مصروف ہو۔ اسی طرح مکروہات (ناپسندیدہ چیزوں) پر صبر روح یہ ہے کہ جمال ازلی کے مشاہدے میں حضرت شہود کے احترام میں تیز نظری سے آنکھیں بند کر لینا اور حیا کی پیچیدگیوں میں روح کا سمٹنا ''صبر مع اللہ'' کہلاتا ہے۔ اور پسندیدہ چیزوں پر صبر روح یہ ہے کہ بارگاہ لم یزلی میں جمال ازلی کے مشاہدے کے نور سے اپنی آنکھوں میں بصیرت کا سرمہ لگانے سے صبر کرنا۔ اسے ''صبر عن اللہ'' کہتے ہیں۔ یہ عوارف کے ترجمے سے ماخوذ ہے۔ شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ تمام احکام الٰہی میں صبر کرنا چاہیے۔ خواہ خوشی کے عالم میں ہو خواہ غم کے عالم میں ہو کیونکہ یہ آیت واصبر لحکم ربک (سورۃ ۵۲، آیت ۴۸) (اور صبر کرو واسطے حکم پروردگار اپنے کے) عام ہے۔

اور آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کے علاوہ کسی کے سامنے شکایت کرنا صبر کے منافی ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑانا صبر کے منافی نہیں چونکہ حق تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر کہا ہے حالانکہ انہوں نے حق تعالیٰ سے اپنی بیماری کی شفا کی دعا کی تھی۔

کہتے ہیں کہ سلطان العارفین بھوکے تھے۔ بہت روئے لوگوں نے پوچھا تم کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا مجھے خداوند تعالیٰ نے اسی لیے بھوکا رکھا تاکہ روؤں اور فرمایا کہ بدن کی وہ کیفیات جو تغیر مزاج کا لازمی نتیجہ ہیں اور انسان کے اختیار میں نہیں ہیں وہ صبر کے منافی نہیں۔ کہتے ہیں منصور کے جب ہاتھ کاٹے گئے تو انہوں نے خون اپنے چہرے پر مل لیا تاکہ چہرے پر کوئی تبدیلی

پیدا ہو یعنی چہرے کا رنگ بدلے تو عوام اس چہرے کے رنگ کو نہ سمجھ سکیں اور یہ غیرت مقام کی وجہ سے تھا اور آپ نے فرمایا کہ شیخ محمد مراکشی کو اگر کوئی تکلیف پیش آتی تو ان کے چہرے سے شادمانی اور مسکراہٹ ظاہر ہوتی۔ ایک دن میں نے سوال کیا کہ آپ پر مصیبتیں آتی ہیں جو فطرتاً ناپسندیدہ ہیں آپ ان پر صبر کیسے کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس سے پہلے میں صبر کیا کرتا تھا اب تو حال یہ ہے کہ جب کوئی آفت میرے سر پر آتی ہے تو اللہ تعالیٰ خاص طور پر مجھے ایک تجلی عطا فرماتے ہیں جو مجھے اس بلا سے محفوظ رکھتی ہے۔

شیخ کا یہ فرمان ہے کہ صبر کا مقام اختتام کو اس وقت پہنچے گا جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں قرار پائیں گے۔

الاصل التاسع فی المراقبۃ

دس اصولوں میں سے نواں اصول مراقبہ ہے اور مراقبہ ذات کی فضیلت اور اپنی طاقت کو دیکھنے سے باہر آنے کا نام ہے اور اس صورت میں امید کی نظر اللہ تعالیٰ کی بخششوں پر ہو اور اس کی مہربانیوں کی ہواؤں کے سامنے یوں رخ کرے کہ ماسویٰ اللہ سے بالکل ذہن خالی کر لے اور اپنے تمام اوصاف و احوال سے منہ موڑ لے کہ ان کی طرف نہ جھکے۔ اگر چہ یہ اوصاف و احوال کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں اور خداوند تعالیٰ کی محبت کے سمندر میں مستغرق ہو جائے اور اس کے دیدار کا مشتاق ہو۔ دل اسی کا آرزومند ہو اور جان بھی اسی کے حضور فریاد کرے اور اسی سے مدد چاہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دروازے اس طرح کھولے کہ کوئی اس میں رکاوٹ نہ بن سکے اور اپنے عذاب کا دروازہ اس طرح بند کردے کہ کوئی اسے کھول نہ سکے۔ یہ صورتحال اس نور کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو مطلع رحمت الٰہی سے طلوع کرتا ہے اور نفس پر جلوہ فگن ہوتا ہے اور نفس امارہ کی تاریکیوں کو چشم زدن میں مٹا دیتا ہے جو تاریکی تیس سالہ ریاضت و عبادت سے بھی مٹ نہیں سکتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان مبارک سے ہمیں بتلایا ہے۔

لا مارحم ربی (سورہ یوسف ۱۲، آیت ۵۳) (مگر جو رحم کرے رب میرا)

یعنی رحمت الٰہی جب پہنچ جاتی ہے تو نفس کی سرکشی زائل ہو جاتی ہے بلکہ

نفس کی برائیاں روح کی نیکیوں سے بدل جاتی ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

یبدل الله سیاتھم حسنت (القرآن ۲۵، آیت ۲۰)، (بدل ڈالتا ہے اللہ برائیوں ان کی کو بھلائیوں سے)

بلکہ ابرار اور نیکو کاروں کی نیکیاں جو بواسطہ الطاف الٰہی انہیں حاصل ہوئی ہیں۔ اللہ کے مقرب بندوں کے نزدیک کہ جو ارباب مراقبہ ہیں۔ ان کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہیں بلکہ یہ نیکیاں ان کے نزدیک برائیاں ہیں۔ چنانچہ فرمان ایزدی ہے:

للذین احسنو الحسنی و زیادة (یونس ۱۰۔ آیت ۲۶)

(واسطے ان لوگوں کے کہ نیکی کرتے ہیں نیکی اور زیادتی ہے)

جو لوگ مقام احسان میں ہوتے ہیں یعنی مراقبے اور مشاہدے کے مقام پر فائز ہوتے ہیں جو بہت اچھا مرتبہ ہے بلکہ اس مرتبے سے بھی بڑا ہے اور یہ مرتبے کی بلندی اس (اللہ تعالیٰ) کے لطف و فضل سے ہے نہ کہ انسان کے عمل سے۔ وہ جس کو چاہے اسے دیتا ہے اور جب تک مقام صبر پیدا نہ ہو مراقبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس کا ذکر صبر کے بعد کیا گیا ہے۔

❁

حضرت بہاء الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ مراقبے کا راستہ ہے اور شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مراقبہ کی دو اقسام ہیں۔

1- مراقبہ حق 2- مراقبہ بندہ۔ مراقبہ حق کی بھی دو اقسام ہیں۔

1- مراقبہ حق کی پہلی قسم یہ ہے کہ موجودات عالم کو فساد و فنا سے بچانا ہے۔

2- مراقبے کی دوسری قسم یہ ہے کہ فرمانبرداری اور مخالفت کے وقت خداوند تعالیٰ کا بندے کو دیکھنا ہے۔

بندہ کا مراقبہ تین قسم کا ہوتا ہے۔

پہلی قسم: اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایسے طریقے سے متوجہ ہونا کہ اس توجہ کے سبب ماسویٰ سے غافل ہو جائے اور یہ توجہ ذات باری تعالیٰ کی تعظیم اس کے قرب اور اپنے نفس کی ذلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ اس بات کا خیال رکھے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو اور اس عمل کو جو اس سے صادر ہوتا ہے۔ دیکھ رہا ہے اور شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مراقبے کی یہ قسم مراقبہ المراقبہ ہے کیونکہ اس مراقبے کا تعلق مراقبہ حق سے ہے۔

تیسری قسم: اپنے ظاہر و باطن کو احکام الٰہی کی مخالفت سے بچانا اور مقام موافقت پر موجود رہنا اور جو کچھ نیک و بد گزر رہا ہے اس کو نظر میں رکھے کہ یہ موجب شکر ہے یا موجب تدارک

اور جو کچھ شیخ بزرگوار قدس سرہ (حضرت نجم الدین کبریٰ) نے فرمایا وہ یہ کہ ایک چوتھی قسم بھی ہے۔ مشائخ میں سے بعض نے نفس کے اخلاق و احوال کو بدلنے میں مجاہدہ، ریاضت اختیار کی ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ مجاہدہ و ریاضت کا طریقہ بہت طویل اور مراقبے کا طریقہ آسان اور قریب تر ہے۔

اور جب مراقبہ ٹھیک صورت اختیار کر لے تو انسان کو تھوڑی مدت میں ہی تمام مقامات اور احوال شریفہ پر رسائی حاصل ہو جاتی ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک آن میں یہ درجہ حاصل ہو جائے اور اس مراقبے کا نتیجہ اشرف و اکمل ہے کیونکہ جو کچھ مجاہدے عبادت اور ریاضت سے حاصل ہوتا ہے وہ کسبی اور خلقی ہے جو کہ ابرار کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے وہ امری، ذہنی اور حقانی ہے جو کہ خلق پر حقیقت کے غلبے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہتے ہیں ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔

الاصل العاشر فی الرضا

الاصول العشر ہ کا دسواں اصول رضا ہے اور رضا کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے نفس کی خوشنودی سے نکل کر خوشنودی خدا میں داخل ہو جائے اور اپنی گردن اس کے حکم کے سامنے جھکا دے جو ازل میں مقرر ہو چکا ہے اور اپنے اعمال کو اس قاعدے کے مطابق ڈھال لے جو ابد تک اللہ تعالیٰ سے صادر ہوتے رہیں گے اور اعتراض کرنے سے پرہیز کرے جیسا کہ موت کا وقت ہوتا ہے۔
پس اس کی حالت اس شخص کی طرح ہو جائے گی جس نے یہ کہا

وکلت الی المحبوب امری کله   فان شاء احیانی وان شاء اتلفا

کہ میں نے تمام کام اپنے محبوب کے سپرد کر دیئے ہیں پس
اگر چاہے تو مجھے زندہ رکھے اور اگر چاہے تو نیست و نابود کر
دے۔

جب سالک کا مراقبہ درست ہو جائے تو اس میں ایسی کشش محسوس ہوتی ہے جو غیر سے اس کا تعلق منقطع کر دیتی ہے اور اسے یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں عملاً اور عیناً خدا سے وجود پذیر ہوتی ہیں۔ چنانچہ مقام رضا محبت الٰہی پر استوار ہوتا ہے جو واصلوں کا مقام اور سالکوں کی انتہائی منزل ہے۔

قضا و قدر کے احکام پر خوشنودی کو رضا کہتے ہیں اور اس قضا کی وضاحت علم ازلی میں اشیاء کا تعین کرنا ہے اور قدر سے مراد تعین ازلی کے مطابق چیزوں کا تخلیق کرنا ہے اور اس مقام (رضا) کی صحت کی علامت یہ ہے کہ زندگی کے تمام مختلف حالات مثلاً فقر و غنا، رنج و راحت، موت و حیات وغیرہ اس کے نزدیک برابر ہوتے ہیں اور وہ کسی اور کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتا اور یہ بات اس کی عادت بن جاتی ہے اور یہی معنی ہیں ملک اور ملکہ کے۔ اور جب نفس کی یہ عادت اور طبیعت بن جاتی ہے تو اسے کوئی چیز ناپسندیدہ معلوم نہیں ہوتی۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اسی حال کے متعلق آگاہ کیا ہے اور فرمایا ہے:

من جلس علیٰ بساط الرضا لم نیله مکروه

(جو شخص رضائے الٰہی کے فرش پر بیٹھ جائے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی)

اس لیے کہتے ہیں کہ اسے جو حالت پیش آتی ہے اس کی اسے ضرورت ہوتی ہے اور جس چیز کی اسے ضرورت ہوتی ہے وہ اس کو مل جاتی ہے۔

اور اس مقام پر جو شخص فائز ہوتا ہے وہ فی الوقت بہشت میں ہوتا ہے چونکہ خوشنودی جو اہل بہشت کے لوازمات میں سے ہے۔ رضا کے اندر مخفی ہے۔ اسی لیے بہشت کے دربان کا نام رضوان ہے۔

اور بعض علماء تسلیم اور رضا میں فرق کرتے ہیں۔ کبھی تسلیم کو رضا سے بلند مرتبہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تسلیم کے معنی اپنے کاموں کو خدا کے سپرد کر دینا بغیر طبیعت کی لذت کے ہے۔ لیکن رضا میں طبیعت کو لذت ملتی ہے اور مقام رضا نفس کی ناخوشی سے جمع ہوتا ہے۔ چونکہ مقام رضا ایک ایسی صفت ہے جو دل کے اندر جناب الٰہی سے محبت راسخ اور یقین درست کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور یہ معنی نفس کی ناخوشی کے منافی نہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ دل کی پسندیدہ چیز نفس کی

ناپسندیدہ ہو اور یہی مقام رضا ہے۔

لیکن ایسا مقام رضا جو راسخ نہیں ہے اور (سالک کی) کوشش کو اس میں دخل نہیں ہے تو ایسی رضا نفس کی ناپسندیدگی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی کیونکہ رضا انعام الٰہی ہے اور خلق الٰہی کے مطابق ہے اور اس کا اثر سب لوگوں کو پہنچتا ہے۔ سو نفس پر بھی پہنچتا ہے۔ اور جب صورت حال یہ ہے تو رضا کراہت نفس کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم

خاتمہ

درنتیجه اصول دهگانه

فمن یموت بالا رادة عن هذا الا وصاف الظلمانيه يحييه الله ينور عناية كماقال لله تعالىٰ او من كان ميتاً فاحينا وجعلنا له نور ايمشى به فى الناس كمن مثله فى الظلمات ليس بخارج منها اى من كان ميتا عن اوصاف اظلمانية فى الشجرة الا نسانية احييناه باوصاف ربانيه و جعلنا له نور امن انوار جمالنا يمشى بالفراسة فى الناس ويشهد احوالهم مكن يبقى فى الظلمات الشجرة الانسانيه لا يزهر له نور المومنية ولا يثمر له الولاية والنبوة

اصول عشرہ کا نتیجہ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنی خواہش سے مرے یعنی اپنی نفسانی خواہشات جن کا ابتدا سے انتہا تک ذکر ہوا ہے ختم کر دے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت سے ایسی زندگی بخشتا ہے کہ وہ ہر خرابی سے محفوظ ہوتا ہے اور زندگی کے مکمل آثار اس میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ آیت

او من کان میتاً فاحیینہ وجعلنالہ نورایمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمت لیس بخارج منھا (کیا وہ شخص کہ تھا وہ مردہ پس جلایا ہم نے اس کو اور کی ہم نے واسطے اس کے روشنی چلتا ہے ساتھ اس کے بیچ لوگوں کی مانند اس شخص کی کہ صفت اس کی یہ ہے بیچ اندھیروں کے نہیں نکلنے والا اس سے) میں مذکور ہے آیت کا حاصل یہ ہے کہ آیا جو شخص اپنی بری عادات کی وجہ سے جو انسانوں کے اندر پائی جاتی ہیں، مردہ ہو چکا ہے اور اس حقیقی زندگی سے جو کہ اخلاق و اوصاف ربانی کا خاصہ ہے اسے پھر زندہ کر دیا جائے اور ہم ایک نور اپنے انوار جمال میں سے اس کا ساتھی بنا دیں کہ اس نور سے اسے فراست حاصل ہو اور لوگوں میں آ کر ان کے باطنی حالات کو سمجھ سکے۔ آیا اس کی حالت اس شخص کی طرح ہوگی جو انسانی سلسلے کے افکار بد کے اندھیرے میں گرفتار ہو یعنی وہ شخص اس شخص کی طرح نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ایمان کا شگوفہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ یعنی نور ایمان روشن ہی نہیں ہوا اور ولایت و نبوت کے درخت پر اس کے حق میں کوئی پھل لگا ہی نہیں۔

نور ایمان سے مراد اس بسیط وجدانی کا حصول ہے جو کہ ظاہر تصدیقی ایمان سے مختلف ہے جو کہ نتیجہ اور حاصل ہے۔ اس روحانی ترقی کا جس میں تامل اور تکلف نہیں ہوتا اور ذوق وشوق اس کے لوازمات ہیں۔ اسی لیے مولانا رومی قدس سرہ نے فرمایا کہ ایمان ذوق وشوق کا نام ہے اور میں اس میں غرق ہوں اور ان کے قول کا ترجمہ یہ ہے کہ حقیقت حق مکمل ذوق وشوق ہے اور سالکوں کا شوق اس کے شوق کا حصہ ہے اور یقیناً ''بسیط وجدانی'' کی دریافت وہ معرفت ہے جو مخلوق کے پیدا ہونے کا مقصد اور اسکی حکمت ہے اور یہ بات اس حدیث قدسی میں موجود ہے۔

کنت کنزاً مخفیاً فاجبت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف

(میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ لوگ مجھے جان لیں پس میں نے کائنات کو پیدا کیا تا کہ مجھے پہچان لیا جائے۔)

انبیاء کی تعلیمات اور اولیا کے ارشادات مقصد کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور ہدایت سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے مقصد تک پہنچنا ہے اور جو شخص اپنے مقصد کے راستوں کو جانتا ہے اور ادھر نہیں جاتا اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کہ مکہ معظّمہ کے راستے کو جانتا ہے لیکن جاتا نہیں۔ طریقت کے راستے پر چلنے کا ثمرہ ایمان اور معرفت مذکورہ کا نور ہے۔ پس جس شخص کو یہ دولت میسر نہ ہو۔ ولایت و نبوت کے درخت سے اسے کوئی پھل میسر نہیں آ سکتا۔

تنبیہہ :-

اس بات کو سمجھ لو کہ ایمان کا نور اور نبوت و ولایت کا ثمرہ اختیاری مرنے سے حاصل ہوتا ہے اور جب تم اس بات کو سمجھ جاؤ گے تو راستے پا لو گے۔

والسلم علی من اتبع الهدی

(اور سلام اس شخص پر جو خدا کی ہدایت کی تابعداری کرتا ہے۔)

کتابیات

1- ارزش میراث صوفیہ: دکتر حسین زرین کوب تہران 1353ھ ش

2- تاریخ گزیدہ: حمداللہ مستوفی باہتمام دکتر عبدالحسین نوائی تہران 1364ھ ش

3- جامع التواریخ: قاضی فقیر محمد نولکشور 1365ھ ق

4- درر نظامی: جامع حضرت مولانا علی بن محمود جاندار

مترجم اردو: صاحبزادہ محمد یٰسین علی صاحب نظامی خواہر زادہ حضرت محبوب الٰہیؒ
در مطبع سید المطابع باہتمام سید محمد نصیر شاہ طبع ہوئی۔

5- ریاض العارفین: آفتاب رائے لکھنوی تصحیح سید حسام الدین راشدی مرکز تحقیقات
فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد 1982ء

6- ریاض لعارفین: رضا قلی ہدایت تہران 1316ھ ش

7- سفینۃ الاولیاء: تالیف داراشکوہ ترجمہ اردو محمد وارث کامل سال اشاعت ندارد

8- فوائد الفواد: مرتبہ خواجہ حسن دہلویؒ ترجمہ اردو پروفیسر محمد سرور
علما اکیڈمی اوقاف پنجاب لاہور طبع اول 1973ء

9- گلستان مسرت: تالیف عبدالرحمٰن شاکر مطبع نامی گرامی اسلامی لاہور 1931ء

10- مراۃ الاسرار تالیف شیخ عبدالرحمٰن چشتی، ترجمہ اردو مولانا واحد بخش سیال بزم اتحاد
المسلمین لاہور 1411ھ

11- مقدمہ ای برمبانی عرفان وتصوف: تالیف دکتر سید ضیاء الدین سجادی تہران
1373ھ ش

12- نفحات الانس تالیف مولانا عبدالرحمٰن جامی تصحیح ومقدمہ مہدی توحیدی پور 1336ھ ش

❁

اشاریہ

اشخاص، کتب، بلدان

Presented by: https://jafrilibrary.com/